کتاب و سنّت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:18 Issue:6 June 2025

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ



درسِ قرآن

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے

از: مولانا عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ (آل عمران)

ترجمہ: ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم سب کو (تمہارے اعمال کے) پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن میں ملیں گے، پھر جس کو دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ صحیح معنیٰ میں کامیاب ہو گیا اور یہ دنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔

توضیح: موت وحیات کا خالق خود خالق کائنات ہے، وجہ تخلیق انسانیت احسن عمل کی آزمائش ہے، اسی عمل کو مقصد تخلیق اور احسن عمل کو خوشنودی رب گردانا گیا ہے پھر انسان کی غفلت کو دور کرنے اور مقصد زندگی کو مستحضر رکھنے کے لیے قرآن مجید میں اسباب غفلت کی شناعت وقباحت کو مختلف زاویوں سے بیان کیا گیا ہے ''دنیاوی زندگی محض کھیل تماشہ ہے، دنیاوی زندگی دھوکے کا سامان ہے، یہ دنیا ایک تھوڑا سا سامان ہے۔ دنیاوی زندگی کھیل کود، زیب وزینت، اموال واولاد میں تفاخر وتکاثر ہے۔ تمہارے اموال واولاد تمہاری آزمائش ہے۔ وغیرہ،، یہ دنیا ہی آدمی کو موت اور مابعد الموت کی تیاری سے غافل کر دیتی ہے، انسان اسی کی چکا چوند سے مسحور اور اسی کی لذتوں سے مخمور ہو کر اس فانی گھر کو دل دے بیٹھتا ہے حالانکہ موت کی حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے اس کے باوجود قلبی میلان دنیا کی طرف ہی رہتا ہے، غفلت کے انہی دبیز پردوں کو اٹھانے کے لیے قرآن مجید میں جا بجا موت اور اس کے اثرات کو ذکر کیا گیا ہے کہ ''ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔'' تم کو تمہارا اجر پورا پورا دیا جائے گا۔۔۔ جو جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا یقیناً وہی کامیاب ہے۔۔۔ پتہ نہیں کہ اس کی

* ذمہ دار مدرسہ ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر

موت زمین کے کس حصے پر آئے گی۔۔۔۔۔۔جب موت کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی آگے نہ ایک گھڑی پیچھے“۔ نبی پاک ﷺ نے بھی آرائشوں اور لذتوں کو ختم کرنے والا نسخہ بیان فرمایا: ”اذکروا ذکر ھازم اللذات “، یعنی الموت لذتوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو اگر کسی بندہ مومن کو موت کا استحضار رہے گا وہ ایک حد تک اسباب غفلت کو ترک کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مبارک ہے ارتحلت الدنیا مدبرۃ والاٰخرۃ مقبلۃ ولکل واحدۃ منھما بنون کونوا من ابناء الاٰخرۃ ولا تکونوا من ابناء الدنیا فان الیوم عمل ولا حساب وغدا حساب ولا عمل کہ دنیا پیٹھ پھیر کر جارہی ہے اور آخرت سامنے سے آرہی ہے دونوں میں سے ہر ایک کی کچھ اولاد ہے یعنی چاہنے والے ہیں تم آخرت کے بیٹے بنو دنیا کے بیٹے مت بنو کیوں کہ آج عمل ہے حساب نہیں اور کل (آخرت میں) حساب ہے عمل نہیں ہے۔

آج اہل دنیا عقلمند اسے کہتے ہیں جو مال کمانے، جمع کرنے، بڑھانے میں ماہر ہو، چاہے اس کا تعلق دین اور فکر آخرت سے شد بد بھی نہ ہو لیکن نبی پاک ﷺ کی نگاہ نبوت میں سمجھدار، عقلمند وہی ہے جو اپنے آپ کا محاسبہ کرے اپنی کوتاہیوں اور عیوب پر نظر رکھ کر اس کی اصلاح کی کوشش کرتا رہے اور مابعد الموت کے لیے نیکی کے کام کرے۔ الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت

ہمارے معاشرے کی زبوں حالی یہ ہے کہ کوئی ایسی معصیت نہیں بچی جو ہمارے معاشرے میں نہ پائی جاتی ہو، بعض وہ گناہ بھی ہیں جن کے ارتکاب پر سابقہ امتوں کو ہلاک و برباد کیا گیا تھا۔۔۔العیاذ باللہ۔۔۔ شراب نوشی، زنا کاری، قتل و غارت گری، اخلاقی اقدار کی پستی کا یہ عالم کہ ہمارے کردار نہ صرف ننگ انسانیت ہیں بلکہ رسوائے اسلام کا ذریعہ بھی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ یہی معاشرہ اپنے کردار و اخلاق سے دلوں پر راج کرتا اور اسلام کی تبلیغ کرتا تھا اب المیہ یہ ہے کہ ہم کچھ تو تنگ نظر لوگوں کی تنگ نظری اور تعصب کا شکار ہیں اور بہت کچھ اپنی بداخلاقی فسق و فجور کے۔۔۔۔یہ سب مقصد زندگی کا استحضار اور فکر آخرت کا اہتمام نہ ہونے کا نتیجہ ہے اس غفلت کے پردے کو چاک کرنے اور ترک معصیت میں کامیاب ہونے کے لیے سلف صالحین کا ایک مؤثر نسخہ یہ ہے کہ اپنے اقوال وافعال میں تین باتوں کا استحضار رکھیں: (۱) میں ہر دم اپنے اللہ کے نظروں میں ہوں خلوتیں تاریکیاں مجھے اپنے رب کے نظروں سے بچا نہیں سکتی ہیں۔ (۲) فرشتے میرے اعمال کو لکھ رہے ہیں نہ میرے بول آزاد ہیں اور نہ میرا عمل بس وہ فرشتے گھات لگائے منتظر ہیں۔ (۳) ایک دن مجھے مرنا اور قبر کے مراحل سے تنہا گزرنا ہے پھر محشر میں اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر اپنی زندگی کے ہر پل کا حساب دینا ہے۔

درسِ حدیث



قربانی کے ایام میں پسندیدہ عمل

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ عائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْل اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ما عمِلَ آدمِيٌّ مِن عمَلٍ يومَ النَّحرِ أحبَّ إلى اللهِ مِن إهراقِ الدَّمِ، إنَّها لتأْتي يومَ القيامةِ بقُرونِها وأشعارِها وأظْلافِها، وإنَّ الدَّمَ ليَقَعُ مِن اللهِ بمكانٍ قبلَ أنْ يقَعَ مِن الأرضِ، فَطِيبوا بها نفسًا. (ترمذی:1493)

ترجمہ:۔ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی بندہ قربانی کے دن کوئی بھی عمل ایسا نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کو (قربانی کے جانور کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب ہو، (یعنی ایامِ قربانی میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی ہے) قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا، (یعنی قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنی اصل شکل و صورت؛ حتیٰ کہ سینگ بال پر وغیرہ جو پھینک دیے جاتے ہیں ان سب کے ساتھ حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا، اور بندہ کو اس کا اجر وثواب ملے گا) اور قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے یہاں قبول ہو جاتا ہے، (یعنی باعثِ اجر وثواب ہو جاتا ہے) پس خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

تشریح:۔اسلامی احکام ومسائل کی بنا رسوم ورواج پر نہیں؛ بلکہ نصائح وعبر پر ہے، کسی بھی خداوندی امر ونہی میں بندوں کے لیے موعظت وعبرت کا عظیم سامان پنہاں ہوتا ہے، جس پر عمل آوری کر کے بندہ اُن فوائد ومنافع سے بہرہ ور ہوتا ہے، ایسا ہی کچھ حال قربانی کا بھی ہے۔

دراصل بندہ کا رب تعالیٰ کے ساتھ بندگی وغلامی کا تعلق ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کے اندر فداکاری و جان نثاری کا ایسا جذبہ ہو کہ ہر آن اور ہر وقت وہ حق تعالیٰ کے حضور سراپا تسلیم وخودسپردگی کا مجسم نمونہ بن کر رہے؛ لیکن ہوتا یہ ہے کہ دنیوی جھمیلوں اور فکروں میں پھنس کر بندہ اپنے اس تعلق بندگی میں کمزور بسا اوقات محرومی کا

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

بھی شکار ہو جاتا ہے؛ جو اس کے لیے جیتے جی مردگی بلکہ عذابِ الٰہی کا سبب ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کا بے حد و بے حساب کرم ہے کہ اس نے بندوں بعض ایسے اعمال و احکام کا پابند بنایا جو اس تعلق کو تازہ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں، جب ہم قربانی کرتے ہیں تو بازار سے جانور خرید کے لاتے ہیں، اس کو اپنے گھر کے کسی حصے میں باندھ رکھتے ہیں، قربانی کا وقت آنے پر زمین پر لٹا کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر اس کی گردن پر چھری پھیر کر خون بہا دیتے ہیں، اِن سب مراحل میں وہ جانور اپنے عارضی مالک کے سامنے ایسا مسخر اور تابع ہو جاتا ہے کہ سرمو انحراف تو دور کی بات ہے ادنیٰ درجے کا اعراض بھی نہیں کرتا، قربانی کے جانور کے اس عملی جذبے سے دراصل اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اندر جذبہ فداکاری و جاں نثاری پیدا کرنا چاہتے ہیں؛ کہ بندوں کے لئے بندگی اور غلامی کا تقاضہ یہی ہے کہ اپنے مالک حقیقی کے امر و نہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے، اور دل کی خوشی سے اس پر عمل پیرا رہے، اسی مقصد کے تحت ہمیں قربانیاں کرنے کا حکم دیا گیا پھر اس عمل میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بڑے فضائل و منافع بھی رکھے ہیں۔

زیرِ نظر حدیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے اس عمل کو نہایت اہمیت کا مقام دیتے ہوئے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں، (۱) قربانی کے دنوں میں کوئی عمل اللہ تعالیٰ کو قربانی سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اپنے فرائض و واجبات کی تکمیل کے بعد اِن دنوں میں اپنے اوقات کو خاص اس عمل میں گزارنا عنداللہ مقبول عمل میں اپنا وقت گزارنا ہے، اس لیے اس کو ان تین دنوں میں زیادہ سے زیادہ قربانی کی مصروفیت میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا چاہیے۔ (۲) جو جانور بھی قربانی کے طور پر دنیا میں ذبح کیا جاتا ہے قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوگا، اور یہ اس عمل کی مقبولیت کی علامت ہوگی، اللہ تعالیٰ اس عمل پر اس کو اپنے حسبِ وعدہ بکل شعرۃ حسنۃ اجر و ثواب سے نوازے گا۔ (۳) قربانی کا عمل ایسا مقدس اور متبرک عمل ہے کہ جب کوئی شخص اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے واسطے جانور ذبح کرتا ہے، اس کا خون ابھی زمین پر نہیں گرتا۔ قربانی کرنے والے کا یہ عمل عنداللہ قبولیت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے۔ ان تین فضائل کو بیان کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **فطیبوا بہا نفسا**، یعنی اب لوگوں کو چاہیے کہ قربانی دل کی خوشی سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے کریں۔ اس لیے قربانی کا یہ عمل نہایت اہتمام سے کرنا چاہیے اور اس عمل کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ یہ بھی سوچتے رہنا ہے کہ ہمارے اندر اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ کس قدر پیدا ہو رہا ہے؟ اسی استحضار کے ساتھ قربانی کرنا ہی دراصل قربانی ہے، ورنہ محض گوشت خوری اور خون بہانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

حق تعالیٰ ہمیں صحیح فہم کے ساتھ اپنے اس فریضے سے سبکدوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ابتدائیہ

عصری تعلیم گاہوں میں طلبہ کے دین وایمان کی تباہی اور ہماری ذمہ داریاں

از: مولانا سید خواجہ نصیرالدین قاسمی*

عصری تعلیم گاہوں کی تعطیلات قریب الختم ہیں، ماہ جون کے اوائل یا وسط میں عصری تعلیمی اداروں میں داخلوں کا بڑے زور وشور سے آغاز ہو جائے گا، راستوں، چوراہوں اور تعلیمی عمارتوں کے باہر، اسکولی بسوں پر جگہ جگہ داخلے جاری ہیں Admissions are open کے اعلانات آویزاں وچسپاں نظر آرہے ہیں، بڑے بڑے بیانرس پر گذشتہ تعلیمی سال میں اپنے اسکولس اور کالجز کے ٹاپرس اور فائق طلبہ وطالبات کی تصاویر شائع کر کے اپنا اسٹیٹس Status اور تعلیمی معیار کا اظہار کیا جارہا ہے، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ، اخبارات ورسائل اور ہینڈ بلز وغیرہ ہر ممکنہ ذرائع تشہیر اختیار کر کے قوموں سے ان کے نونہالوں، نوعمروں اور نوجوانوں کی مانگ ہو رہی ہے، اور ادھر سرپرستوں اور والدین کی فکر وسوچ بڑھتی جارہی ہے، اعزہ واقرباء سے مشورے اور بہتر ین سے بہترین تعلیمی اداروں کی دریافت ہو رہی ہے، بچوں کے مستقبل کے تعلق سے بیسیوں اسکولس، کالجز کی تحقیقِ حال کیلئے دوڑ دھوپ جارہی ہے، تاکہ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی جاسکے اور اُنھیں مستقبل میں بہتر روزگار فراہم ہوسکے، یقیناً والدین کی یہ فکریں اور احساسِ ذمہ داری لائق تحسین اور بہت ہی مبارک ہے۔

تعلیمی ادارے سرپرستوں کے سامنے جو ترجیحات وترغیبات پیش کرتے ہیں ان میں اپنے سابقہ ریکارڈس، بچوں کی عددی کثرت، ٹرانسپورٹ کی سہولت، قابل وذی استعداد اساتذہ کی خدمات، بڑی جماعتوں کے لئے اسپیشل کلاسس کا نظم، ابتدائی اور چھوٹی جماعت کے بچوں کے لئے اسپورٹس، گیمز، آرٹس، میوزکل اور تفریحی پروگرامس کا انعقاد، صاف ستھرا اور خوشگوار ماحول، اور مسلمانوں کو راغب کرنے لئے حفظ قرآن مجید، تجوید ودینیات کے سبجکٹس کا انتظام شامل ہے۔ صرف نظر اس سے کہ انتظامیہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو یا غیر مسلموں کے بیشتر عصری اداروں کی یہی خصوصیات وترغیبات ہیں۔ اس لئے کہ قوم بھی اکثر انہی امور پر توجہ

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

دیتی ہے، جس اسکول کی بیشتر خصوصیات ان کے منشاء کے مطابق ہوں اس کا انتخاب عمل میں آتا ہے اور بیشتر لوگ بچوں کو وہاں داخلہ دلوا کر سر سے بارِ عظیم اتار دیتے ہیں، پھر ایک مقررہ میعاد تک انھیں ان اسکولوں سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا کہ وہاں کس قسم کی تربیت دی جارہی ہے؟ کیسے اخلاق بنائے جارہے ہیں؟ دین و مذہب محفوظ بھی رہ رہا ہے یا نہیں؟ بچہ کی تعلیمی ترقی ہورہی ہے یا نہیں؟ بچہ اسکول میں کیا کر رہا ہے؟ اس کی دوستیاں کس کے ساتھ ہیں؟ بچہ تعلیم پر کتنی توجہ دے رہا ہے اور دوستیوں کو کتنی اہمیت دیتا ہے؟ وغیرہ۔

گراں بہا اور قیمتی سرمایہ داخلوں کے لئے صرف کر کے سرسری تعلیم پر خوش ہوجانا اور ہر سال نئی جماعت میں داخل ہوتا دیکھ کر اُسے ہی ترقی سمجھ لینا یہ طرزِ عمل اور زاویۂ سوچ اغیار یعنی دوسری قوموں کا ہو تو ہو، لیکن مسلمان ـــــ جو بامقصد اور پُرعزم زندگی گذارنے کا پابند ہے ـــــ کا ہرگز یہ طرزِ عمل نہیں ہونا چاہئے، مذہب اسلام نے عصری علوم کی ضرورت، اہمیت وافادیت سے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مختلف ومتعدد ہنر وپیشوں سے وابستگی کی ترغیب دی اور انسانیت کے کام آنے کے بڑے فضائل بیان کئے ہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ دین وایمان کی سلامتی کی فکر کو اولین ترجیح حاصل رہے کیوں کہ آخرت میں اس کے بغیر نجات کا کوئی تصور ہی نہیں۔

اسلامی نظریہ تعلیم وتربیت

بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے تعلیم گاہوں کا انتخاب اس وقت انتہائی نازک وحساس مسئلہ ہے، اس لئے اس جانب قدم بڑھانے سے قبل ہمیں اسلامی نظریہ تعلیم کو پیش نظر رکھنا چاہئے: قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیثِ مبارکہ اس فکر کی عکاسی کرتی ہیں۔ چنانچہ دیکھئے سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ اولوالعزم پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی اولاد کے بارے میں کس فکر کی نشاندہی فرمارہے ہیں؟ انہوں نے اپنے بچوں سے پوچھا: مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ط تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ ہم اس ذات کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرت) ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق علیھم السلام پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم (احکام میں) اس کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری حیاداری کے ساتھ بلانے کے لئے آئیں: فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۚ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ط (القصص:۲۵) (سوان دوعورتوں میں ایک عورت (حضرت)

موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئی جو چلتے ہوئے شرما رہی تھی، اس نے کہا کہ بلاشبہ میرے ابو تم کو بلا رہے ہیں تاکہ تمہیں اس کا صلہ دیں جو تم نے ہمارے لئے پانی پلایا۔)

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ سورۂ صٰفٰت میں کیا گیا والد پوچھ رہے ہیں کہ اللہ کا یہ حکم خواب میں مل رہا ہے کہ میں تمھیں راہِ خدا میں قربان کروں، انھوں نے جواب میں فرمایا يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴿۱۰۲﴾ اے اباجان آپ کو جو حکم ملا ہے اس پر عمل کیجئے، ان شاءاللہ آپ مجھ کو صابروں میں پائیں گے۔

انسانی معاشرہ اور سماج میں کیسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے اس طرف توجہ دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران میں فرمایا وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۱۰۴﴾ تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ (اوروں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کریں، نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور بُرے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ (آخرت میں ثواب سے) پورے کامیاب ہوں گے۔

ایسی ہی سورۂ فرقان کے آخری رکوع، سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع، سورۂ حجرات کے پہلے رکوع میں جن اسلامی عقائد و اعمال اور اخلاق و آداب اور عالی صفات کو بیان کیا گیا ہے، وہ سب اسلامی تعلیم و تربیت کا عنصر ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اکرمو ا اولادکم و احسنوا ادابھم (ابن ماجہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد کا اکرام کرو اور اپنی (اچھی تربیت کے ذریعہ) اُن کو حسنِ ادب سے آراستہ کرو۔ اور ایک جگہ فرمایا: مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع تمہارے بچے جب سات سال کے ہوجائیں تو انھیں نماز کی تاکید کرو۔ (سنن ابی داوٗد)

انسانیت کے لئے کام آنے والے کی تعریف کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خیر الناس من ینفع الناس (جامع الاحادیث: ۱۴۶۷۳) لوگوں میں سب سے بہترین وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہونچانے والا ہے۔

ان چند آیات و احادیث میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مذہبِ اسلام؛ تعلیم و تربیت کے ذریعہ ایسے افرادِ انسانی کی تشکیل چاہتا ہے جو حق تعالیٰ کو فراموش نہ کرتے ہوں، احکامِ اسلام کا احترام کرنے والے ہوں، دین و مذہب سے قلبی لگاؤ رکھتے ہوں، اعلیٰ اخلاق کے حامل ہوں، فطری و طبعی صلاحیتوں کا مثبت انداز میں استعمال

کرنے پر قادر ہوں، خدمتِ خلق اور ان کی نفع رسانی کے جذبات سے معمور ہوں، وہ انسانی ضروریات کے ہر شعبہ میں کام کرنے کے اہل ہوں، ساتھ ہی دین و مذہب کے احکام پر بھی کاربند ہوں، جس میں موحدانہ، حیادارانہ، مطیعانہ صفات کے ساتھ زندگی بسر کرنے والے، صابر و شاکر، معاصی و جرائم سے بچنے والے بندے اور بندیاں ہوں، یہ ہے وہ صحیح، حقیقی و بامقصد تعلیم و تربیت۔ مسلمان یہ دیکھیں کہ جس تعلیم گاہ کا انتخاب کر رہے ہیں اس سے یہ اسلامی مقاصد حاصل ہو رہے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں حاصل ہو رہے ہیں تو پھر ایسے اداروں کو ترجیح دی جانی چاہیے جہاں ان مقاصد کو بروئے کار لانے کی ضمانت دی جاتی ہو۔ اگر مسلمان ان خوبیوں اور صفات کے مطالبہ پر مصر ہو جائیں تو بہت ممکن ہے کہ تعلیم گاہیں اپنے نصاب و نظام میں بہتر تبدیلی پر غور کر کے موثر تبدیلی لائیں اور بچوں کے اخلاق و کردار اور عقائد و اعمال میں بگاڑ پیدا ہونے کے دروازے بند ہو جائیں۔ یا خود قوم و ملت کے دردمند و تعلیم یافتہ مسلمان ایسی عصری تعلیم گاہیں قائم کریں جن میں بچوں کو عصری علوم اسلامی و اخلاقی ماحول میں پڑھائے جائیں، لازمی نصابی کتب میں جہاں مشرکانہ، غیر مہذب، اور اسلامی تعلیمات کے مغائر اسباق آ جائیں تو معلمین اس کی نشان دہی کر کے بچوں کو اس کے مضر اثرات یعنی تہذیبی، الحادی، اور ارتدادی حملوں سے بچائیں۔ ورنہ یہ ناممکن ہے کہ بچے کسی لادینی و الحادی ماحول میں رہ کر تعلیم پائیں اور اپنے ایمان و اخلاق اور اسلامی شناخت کو سلامت رکھ سکیں؛ بل کہ زمانہ اس بات کا داعی ہے کہ علماءِ امت جو دینی و اسلامی علوم کو بچوں کے سینوں میں منتقل کر رہے ہیں وہی عصری علوم کو بھی قوم و ملت کے نونہالوں میں منتقل کرنے کی ذمہ داری اُٹھائیں، اللہ کرے کہ ایسا ہو۔ کیوں کہ لاکھوں بچوں اور بچیوں کے دین و ایمان اور اخلاقی اقدار کے محفوظ رہنے کا سامان ہو سکے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل

فریب خوردہ مسلمانوں کا طرزِ عمل

لیکن اس وقت کا المیہ یہ ہے کہ ملک و ریاست میں جتنے تعلیمی ادارے قائم ہیں وہ ایک خاص فکر و نظر (یعنی مغربی تعلیمی نظام) کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں، امتِ مسلمہ ـــــ خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ ـــــ انہی تعلیمی اداروں سے تعلیم دلوانے پر مجبور ہو رہی ہے، شہر کے مسلم اکثریتی علاقوں میں اسکولس کا جائزہ لیں گے تو پتہ چلے گا کہ عیسائی و مشنری، اور مغربی طرزِ تعلیم اور نہج پر کام کرنے والے اسکولس مسلم نسلوں کے لئے غارت گرانِ ایمان ثابت ہو رہے ہیں، اور مسلم قوم کا حال یہ ہے کہ کانونٹ اسکولس اور مشنری کالجز ہی ان کی اولین ترجیح بنی ہوئی ہیں، بلکہ المناک بات یہ ہے کہ ان اداروں میں داخلوں کو سعادت مندی و خوش نصیبی اور داخلہ نہ ملنے کو بدقسمتی سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ العیاذ باللہ۔ امتِ مسلمہ کا یہ طرز رسالت مآب ﷺ کے فرمان کل

مولود یولد علی الملة فابواہ یھودانه او ینصرانه ،اویشر کانه (ترمذی:۲۱۳۸) ’’ہر بچہ (فطرتِ) اسلام پر پیدا ہوتا ہے، ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مشرک بناتے ہیں‘‘ کا ایک واضح مصداق ہے۔

عیسائی مشنری نظریہ تعلیم اوراس کے مضر اثرات

مسلمانوں کی یہ سوچ وفکر اُن کے لئے بڑا خطرہ بن سکتی ہے، کیوں کہ عیسائیت کے نظریہ تعلیم کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ ’’عیسائی عقیدہ وتہذیب کا فروغ ہو، ڈگریاں اور شہرت وناموری کا مزاج پیدا ہو، دینِ اسلام سے بیزاری بلکہ مسلمانوں کے دلوں سے اس کی عظمت ختم ہوجائے، اس بات کی حقیقت تک رسائی کے لئے مشنری کارکنوں کی تحریرات ملاحظہ کیجئے۔ مثلاً

● ڈانبی نامی ایک مشنری کارکن اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے: ’’تعلیم‘‘ طلبہ کے قلوب واذہان میں مسیحی عقیدہ اور مسیحی عبادت کو راسخ کرنے کا ایک قیمتی ذریعہ ہے۔ مشنری اسکولوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مختلف مذاہب کے طلبہ کو اپنے مذہب میں لے آئیں، اور مسیحی اسکولوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ طالب علم کیلئے خواہ کسی بھی مذہب کا ہو ایسی مسیحی فضاء تیار کریں جس میں وہ مسیحی تقویٰ اور مسیحی اخلاق پر عمل کرسکے۔ (دنیا عیسائیت کی زد میں:۲۳۶)

● ایک مشنری کارکن (عیسائی مبلغ) کہتا ہے کہ: ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکول بنانے کی ترغیب دیں خاص طور پر مغربی تعلیم حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کریں، بہت سے مسلمانوں نے انگریزی زبان سیکھ لی تو ان کے اعتقادات متزلزل ہوگئے، مغربی تدریسی کتابیں پڑھنے کے بعد مشرقی مقدس کتاب (قرآن مجید) پر عقیدہ قائم رکھنا بہت مشکل ہے۔ (ایضاً ص:۱۱۵)

● ڈاکٹر ڈبلیو ہنٹر کہتا ہے کہ ’’ہمارے اسکولوں اور کالجوں سے پڑھا ہوا نوجوان ہندو ہو یا مسلمان ایسا نہیں ہے جس نے اپنے بزرگوں کے عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو۔ (نقش حیات شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ ۱۴۰/۲)

یہ چند اقتباسات ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی مشنری اسکولس اور مغربی طرز تعلیم کا مقصد مسلمانوں کو دین وایمان سے برگشتہ کرنا اوران کے بنیادی عقائد پر قدغن لگانا ہے، اُنھیں اپنے عزائم ومقاصد کی کس حد تک کامیابی مل رہی ہے اسے جاننے کے لئے ان اداروں میں تعلیم پانے والے مسلم بچوں کی زندگیاں کافی ثبوت ہیں، ان کے کچھ چشم کُشا واقعات پڑھتے چلئے:

● ایک مشنری اسکول میں تعلیم پانے والے بچے اپنی ماں کے ساتھ کہیں جارہے تھے، اچانک راستہ سے غائب ہوگئے، ادھر اُدھر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اُنھیں راستے میں ’’میری (Mary) کا مجسمہ‘‘ نظر آیا تو وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے ہیں۔ ماں نے ان کی پٹائی کردی اور بچوں نے معصومیت سے کہہ

دیا کہ اس میں خرابی کی کیا بات ہے ایسا تو اسکول میں ہم روز کرتے ہیں۔

● ایک غیر مسلم عصری اسکول میں دوسری جماعت کی مسلمان بچی اپنے والد کے ساتھ کسی ریسٹورینٹ میں گئی وہاں گنیش مورتی کی تصویر نظر آئی تو بڑی عظمت کے ساتھ اپنے باپ سے کہنے لگی ڈیڈی یہ ’’پَپّا‘‘ کی فوٹو ہے باپ حیرت واستعجاب میں پڑ گیا، تحقیق پر پتہ چلا کہ اس اسکول کی انتظامیہ ہر ہفتہ بچوں کو تفریح کے لئے پارک لے جاتی ہے، وہاں کھیلتے کھلاتے اُن سے مورتیوں کے سامنے ہاتھ جوڑنا اور پوجا پاٹ بھی سکھا دیتی ہے

● ایسے ہی ایک چھوٹی بچی کے بارے میں معلوم ہوا کہ اُسے مندروں میں پڑھے جانے والے بھجن بھی یاد ہو گئے۔

● بعض اسکولس میں کم سن بچوں کو نصابی کتب میں ایسی تصویریں ڈیزائن کرنے یا نامکمل تصویر کو مکمل کرنے کے لئے دی جارہی ہیں جس سے ہندوانہ دیوی دیوتاؤں کے نقشے اُبھر کر آتے ہیں، بھارتی تہذیب کے نام پر ایسے سوالات وجوابات کرائے جارہے ہیں جس سے بچے توحید کے بہ جائے شرک سے مانوس ہوجائیں؟ مثلاً علم کی دیوی کا نام کیا؟ سوریہ نمسکار کے فوائد کیا ہیں وغیرہ۔

● بعض مسلم منیجمنٹ اسکولس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہاں بچوں کو فنونِ لطیفہ کے نام پر ناچ گانا، ڈانس وموسیقی سکھائی جاتی ہے اور سکھانے والی اسکرٹ پہن کر آتی ہے، ناچنے اور گانے پر ان بچوں کی خوب حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، بعض اسکولس کے ایڈمیشن فارم میں یہ فنون ان کے ادارے کی خصوصیات میں ذکر کئے گئے ہیں۔ جبکہ گانا باجا اسلامی شریعت کے سخت خلاف ہے۔

● جواہر شریعت جلد دوم میں نصاب میں مشرکانہ مضامین کی شمولیت کے تعلق سے مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مدظلہ نے لکھا ہے کہ میں نے ایک چھ سات سالہ بچی کی جو دوسری جماعت میں زیر تعلیم تھی، کاپی دیکھی تو اس میں ایک سوال وجواب اس طرح لکھا ہوا تھا:

Who is God? God is Our father. یعنی خدا کون ہے؟ خدا ہمارا باپ ہے۔

(کیا یہ عیسائی تعلیم نہیں ہے؟)

● مشنری اسکولس کرسمس ڈے یا کسی تقریب کے موقعہ پر عیسائیت پر مبنی فلم بھی شو کرتے ہیں، جس میں (نعوذ باللہ) سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی دیئے جانے کا منظر دکھایا جاتا ہے، جو کہ اسلامی عقائد اور کتاب اللہ کے بیان کے بالکل مغائر ہے۔ ہر اتوار کو ایک خصوصی پروگرام رکھ کر عیسائیت کی تبلیغ وتشریح اور تفہیم کی جاتی ہے۔ اور تفریحی ٹور رکھ کر قریب البلوغ نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کو آزادانہ ماحول فراہم کیا جارہا ہے۔ ایک

ساتھ سیو منگ کرائی جاتی ہے، ناچ گانے کی محفلیں سجائی جارہی ہیں۔

● بعض مسلم نوجوانوں کی غربت کا فائدہ اٹھا کر ان سے اسکول کا کوئی کام لے لیا جاتا ہے اور ان کے بچوں کی مفت تعلیم کا بندوبست کر دیا جاتا ہے۔اس طرح مسلم طلبہ وطالبات کی برین واشنگ کر کے عیسائیت کا رنگ چڑھایا جارہا ہے۔

الغرض اس طرح عیسائی مشنری اسکولس کی بہت سی سرگرمیاں تیزی سے جاری ہیں، یہ امتِ مسلمہ کیلئے لمحہ فکریہ ہے آخر وہ بچوں کا مستقبل بنا رہے ہیں یا ان کے ایمان کو تباہ کر کے ملحد ومشرک اور کافر بنا رہے ہیں، کیا ہمارے گھر میں کوئی بچہ مورتی یا اس کی تصویر لا کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تو کفر ہوگا اور اسکول میں یہی عمل کفر نہ ہوگا، اگر ہمارے گھر میں بچہ کے گلے میں عیسائی صلیب آجائے تو اس کی سرزنش کی جائے، اگر یہی عمل کسی پروگرام وغیرہ کے موقعہ پر اسکول میں ہوجائے تو خاموشی اختیار کر لی جائے، اگر کوئی لڑکی گھر میں گھٹنے دکھانے والا لباس پہن لے تو اُسے بے حیائی و بے شرمی کا طعنہ دیا جائے اور یہی عمل اسکول جاتے ہوئے ہو تو کیا وہ باحیا وشریف زادی سمجھی جائے گی، ہمارے گھر میں بچوں کی زبان سے کفریہ نغمے اور ہندوانہ بھجن جاری ہوں تو وہ کافرانہ روش ہو اور اسکول وکالج میں یہی نغمے ان کے لئے مشرکانہ کلمات نہ بنیں۔ یا للعجب! بچوں کے مستقبل اور ان کی اعلیٰ تعلیم کے نام پر اس طرح کے اسکولوں اور کالجز کے انتخاب کو دین وایمان کا استحصال نہیں تو اور کیا کہا جائے؟

لائحہ عمل

ہم اور آپ مسلمان ہیں، کلمہ گو ہیں، ایمان ہم کو ہماری نسلوں کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہونا چاہئے، اللہ نے ہمارے لئے مذہبِ اسلام کی تعلیمات، اس کے اخلاق وآداب، اس کی معاشرت ومعاملات کو پسند فرمایا اور ہمیں کامل ومکمل دین دیا ہے، وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ط۔ نبی علیہ السلام کی شریعت کو ہمارے لئے بہترین نمونہ قرار دیا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ یہود ونصاریٰ کی دوستی سے بھی منع فرما دیا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط (المائدۃ ۵۱) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بنو قریظہ کے اپنے ساتھی کے پاس سے تورات کے کچھ نسخے لے آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا کر پڑھنا شروع کیا، کچھ ہی دیر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور متغیر ہو گیا، قریب کے صحابیؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا اللہ تمہاری عقل ٹھکانے لگائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخِ انور نہیں دیکھتے؟ جب انہوں آپ کو دیکھا تو فوراً کہا رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد ﷺ نبیا اور وہاں سے چلے گئے۔ بعد میں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے درمیان آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع و پیروی کرو گے تو راہ نہ پاؤ گے؟ اقوامِ عالم میں تم لوگ میری امت ہو اور میں جماعتِ انبیاء میں تمہارا نبی ہوں۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۱۶۴)

ان سب صریح ہدایات اور واضح احکامات کے بعد اب ہم یہ طے کر لیں کہ

۱) نئے تعلیمی سال پر اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے اسلامی عصری تعلیم گاہوں کو ترجیح دیں گے۔

۲) مشنری اسکولس و کالجز سے اپنے نونہالوں، نوعمروں، نوجوانوں سبھی کو محفوظ رکھنا اپنا اولین فریضہ سمجھیں گے۔

۳) جن اداروں میں شعبہ حفظ قرآن مجید و دینیات قائم ہے وہاں بھی تحقیق حال کے بعد ہی داخلہ کروائیں گے۔

۴) مسلم اسکولس کے ذمہ داران مغربی و مشرکی تعلیم وتہذیب کو رواج دینے کے بجائے اسلامی کلچر اور اسلامی تہذیب کو فروغ دیں۔

۵) بچوں کی نصابی کتاب ضرور ملاحظہ کریں تا کہ معلوم ہو کہ کہاں کہاں عقیدہ وایمان کے خلاف مضامین ہیں کتابوں میں موجود ہیں۔

(۶) اپنی تعلیم گاہوں کو مہنگا اور گراں نہ بنائیں کہ متوسط اور کمزور طبقات کی رعایت رکھیں ورنہ پھر غریب مسلم بچے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہو جائیں گے یا پھر بے دینوں کے حوالہ ہوں گے۔

۷) مسلم تعلیم یافتہ ودانشور طبقہ قوم کی خدمت کرنے کے لئے اعلیٰ تعلیم گاہوں اور یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں لائے۔ تا کہ مسلمان بچے بچیاں ہائی کلاسس سے فراغت کے بعد وہاں سے گریجویشن کر سکیں۔

۸) مسلم مینجمنٹ اسکول کے ذمہ داران اپنی اڈوائزری بورڈ میں شہر کے ممتاز ومتدین، راسخ علماء کرام کو شامل کریں، تا کہ مسلمان بچوں اور بچیوں کی تعلیمی واخلاقی پہلوؤں کے سلسلہ میں ان سے اسلامی احکامات کے مطابق رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

۹) فی الحال جو تعلیم گاہیں مسلمانوں کے زیر انتظام ہیں وہ اپنے تعلیمی وتربیتی نظام کا جائزہ لیں، اور غیر اسلامی عوامل وامور کو اپنے انتظام سے خارج کر کے اسلامی ماحول بنائیں۔

ان چند امور پر غور کیا جائے تو مسلمان بچوں کی بڑی تعداد کو عیسائیت وہندوازم کے ارتدادی حملوں سے بچایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کے دین وایمان کے تحفظ کا سامان فرمائے۔ آمین

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

اُمۃ بنت خالد بن سعید بن العاصؓ ام خالد
(زوجہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ)

از: مولانا مفتی رفیع حنیف صاحب قاسمی*

نام ونسب:

امۃ بنت خالد بن سعیدؓ ، یہ عظیم صحابی رسول ﷺ حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ کی بیٹی ہیں، اپنے والدمحترم اور والدہ امینہ بنت خلف کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، وہیں امۃ اور ان کے بھائی سعید کی ولادت ہوئی، پھر یہ لوگ غزوۂ خیبر کے موقع سے ۷ ہجری میں مدینہ منورہ تشریف لائے۔ان کا اصل نام ''اُمۃ'' تھا اوران کی کنیت ''ام خالد'' ان کے بیٹے خالد بن زبیر کی نسبت سے مشہور ہوئیں۔

ان کا نسب اس طرح ہے: امۃ بنت خالد بن سعید بن عاص بن امیۃ بن عبد شمس بن عبد مناف قریشی اموی ہیں، اوران کی والدہ کا نسب: امینہ بنت خلف بن اسعد بن عامر بن بیاضہ بن سبیع بن جعثمہ بن سعد بن ملیح بن عمرو بن خزاعۃ۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ام خالد: ۱۸۶/۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی: ۱۴۱۰ھ، ۱۹۹۰م)

نکاح

یہ عظیم صحابیہ ہیں، صغیرالسن تھی، بعد میں ان کا نکاح عظیم صحابی رسول ویکے از عشرۂ مبشرہ حضرت زبیر بن سے ہوا، جن سے دولڑکے اور تین لڑکیاں تولد ہوئیں۔

۱۔خالد: ان کا نام ان کے نانا خالد بن سعید کے نام پر رکھا گیا جو مرج الصفر (ایک مشہور جنگ) کے دن قتل ہوئے۔حضرت خالد بن زبیرؓ نے اپنے چچا عبد اللہ بن زبیرؓ کی جانب سے یمن کی گورنری (ولایت) سنبھالی تھی، اس سے ان کے اعتماد اور صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۔عمرو: ان کا نام عمرو بن سعید بن العاص کے نام پر رکھا گیا جو یوم اجنادین (اسلامی فتوحات میں ایک

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدرآباد

بڑی جنگ) میں شہید ہوئے تھے۔لیکن عبداللہ بن زبیر (ان کے چچاپنے) عمرو کوقتل کر دیا، کیوں کہ عمرو بنوامیہ کی طرف سے اپنے چچا کے خلاف صف آرا تھے۔ بیٹیاں : تین ہیں، حبیبہ، سودہ، ہند۔

(التاریخ الاسلامی، العہد الأموی: ۴/ ۱۳۸،محمود شاکر، المکتب الاسلامی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں

جب ام خالدؓ اپنے والدین کے ہمراہ ہجرت حبشہ کے بعد واپس مدینہ آئیں تو وہ ایک چھوٹی بچی تھی، حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس کپڑے لائے گئے، ان میں ایک چھوٹی سی سیاہ خمیص (قمیص) تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے، یہ خمیص کسے پہناؤں؟ سب لوگ خاموش ہوگئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ام خالد کو لاؤ۔ مجھے اٹھا کر لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے وہ قمیص مجھے پہنائی" ائتونی بام خالد، قالت: فأتی بی رسول اللہ ﷺ فألبسنیها''، اور فرمایا:''ابلی و خلقی بقبولها''یعنی: اسے پہنو اور خوب استعمال کرو، اللہ تمہیں اس میں برکت دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ جملہ دو یا تین مرتبہ فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس خمیص کے نقش ونگار کو دیکھنے لگے جو زرد یا سرخ رنگ کا تھا، اور فرمایا: یہ سنا ہے اے ام خالد، یہ سنا ہے اے ام خالد اور اپنی انگلی سے اس نقش کی طرف اشارہ کرتے رہے۔" ام خالد کہتی ہیں: ''سنا'' حبشی زبان میں ''خوبصورت'' کو کہتے ہیں۔ (الطبقات الکبری لابن سعد: ام خالد: ۱۸۶/۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی: ۱۴۱۰ھ، ۱۹۹۰م)۔

اسحاق کہتے ہیں کہ: مجھے میرے گھر کی کسی خاتون نے بتلایا کہ انہوں نے یہ قمیص ام خالدؓ کے یہاں دیکھا ہے''أنها رأت الخمیصة عند ام خالد'' (سیر أعلام النبلاء: ام خالد امۃ بنت خالد الامویۃ: ۴۷۰/۳، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

روایات

ان سے کئی ایک روایات منقول ہیں، ان سے سعید بن عمرو بن سعید بن العاص، ابراہیم بن عقبہ اور موسیٰ بن عقبہ وغیرہ نے روایتیں نقل کی ہیں۔

واقدی روایت کرتے ہیں: مجھے جعفر بن محمد بن خالد نے روایت کیا، انہوں نے ابوالاسود سے، اور انہوں نے ام خالد بنت خالدؓ سے روایت کیا، کہتی ہیں کہ:''میں نے نجاشی کو اس دن یہ کہتے سنا جس دن ہم (حبشہ سے) دو کشتیوں والے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے، تم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو میری طرف سے سلام پہنچانا۔ ام خالد کہتی ہیں:''میں ان لوگوں میں شامل تھی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نجاشی کا سلام پہنچایا''۔''فکنت فیمن أقراه السلام عن النجاشی'' (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، أمۃ بنت خالد: ۲۸/۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی: ۱۴۱۵ھ)

ابراہیم بن عقبہ کہتے ہیں کہ میں نے ام خالد بنت خالد بن سعید بن العاص ؓ جب وہ نہایت بوڑھی عورت تھیں، جن کی ولادت سرزمین حبشہ میں ہوئی سے پوچھا: کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ سنا ہے" وھی عجوزة كبيرة ولدت بأرض الحبشة، فقلت لها: أسمعت من رسول الله ﷺ شيئا" توانہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی روایت نقل کی کہ انہوں نے سنا کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عذاب قبر سے پناہ مانگنے تھے "أنها سمعته يتعوذ من عذاب القبر" (الطبقات الکبری لابن سعد: ام خالد: ۸/ ۱۸۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی: ۱۴۱۰ھ، ۱۹۹۰م، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: امیمہ بنت خلف: ۴/ ۱۷۹۰، دار الجیل، بیروت)

ان سے ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ نبی کریم جب حضرت زبیر بن عوام ؓ کو بخار ہوجاتا تو پانی کو ٹھنڈا کرکے ان پر ڈالنے کے لئے فرماتے "يأمرنا إذا احمّ الزبير أن نبرد الماء، ونحدره عليه"

(معرفۃ الصحابۃ لابن نعیم: ام خالد: ۶/ ۳۲۶۷، دار الوطن للنشر، الریاض،)

وفات

روایات کے مطابق، ام خالد رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاء کی برکت سے (تم اس قمیص کو پہنو اور بار بار پرانی کرو) طویل عمر پائی، بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ صحابیات میں سب سے آخر میں وفات پانی والی ہے اور یہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے زمانے تک بقید حیات رہیں۔ "وأظنها آخر الصحابيات وفاة، بقيت إلى أيام سهل بن سعد" (سیر أعلام النبلاء: ام خالد امۃ بنت خالد الاموية: ۳/ ۴۷۰، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

(بقیہ صفحہ ۲۷ سے)

بہرحال! غفلت انسان کے ہلاکت کا پیش خیمہ ہے، یہ صفت انسان کو اس کے پروردگار سے دور کردیتی ہے، حضرت جنید بغدادیؒ کے بقول: غفلت بندے اور اس کے رب کے درمیان پردہ ہے۔ (طبقات الصوفیہ ص:132)

اسی لیے حضرات صوفیاء غفلت کو بہت بڑا خسارہ سمجھتے تھے چنانچہ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر میں پلک جھپکنے جتنی دیر کے لیے بھی تیرے (اللہ پاک کے) ذکر سے غافل ہوجاؤں تو میں اسے کفر کے برابر سمجھوں گا۔ (تذکرۃ الأولیاء ص:117)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو ان تمام امراض باطنہ اور سبھی دل کی بیماریوں سے نجات عطا فرمائے اور اپنی آخرت و عاقبت کو سنوارنے اور حسنِ اخلاق و حسنِ عمل کے ذریعے اپنے کردار کو آراستہ کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

اصلاحی مضامین

عشرۂ ذی الحجہ فضائل و اعمال

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

’’اشھر حرم‘‘ (حرمت والے مہینے) چار ہیں، ان میں ایک ماہ ذی الحجہ بھی ہے جس کو دیگر مہینوں پر خصوصی فضیلت حاصل ہے؛ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے اس مہینے کی ابتدائی دس راتوں کی قسم کھائی ہے؛ چناں چہ اللہ نے فرمایا: **والفجر ، ولیال عشر** ۔حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کا تفسیری ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’قسم ہے فجر کے وقت کی ،اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی (یعنی دس تاریخوں کی کہ وہ نہایت فضیلت والی ہے)۔(تفسیر بیان القرآن: ۴/ ۶۵۴)اور حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کو اور سال کے بارہ مہینوں سے رمضان کو اور رمضان کے تین عشروں میں سے عشرۂ اخیر کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کو خصوصی فضیلت حاصل ہے، ان دنوں میں بندہ کا ہر نیک عمل، اللہ کو بہت محبوب ہے۔(معارف الحدیث، ۳/ ۴۱۷)

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ، سال بھر کے روزوں کے برابر اور اس کی ہر رات کی نفلیں، شب قدر کی نفلوں کے برابر ہیں۔(ترمذی)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ان مبارک دنوں کو غیر ضروری تعلُّقات اور سوشل میڈیا سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں گذاریں اور صدقہ، خیرات اور نیک عمل میں کچھ نہ کچھ اضافہ کریں اور گناہوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام کریں؛ البتہ خصوصیت سے ان ایام میں مندرجہ ذیل چند کام کریں:

(۱) نفلی روزے رکھنا

احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے ابتدائی ایام میں ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اجر رکھتا ہے، اور بہ طورِ خاص یوم عرفہ (9 ذوالحجہ) کے روزے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس دن کا روزہ ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اور ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ ان ایام میں سے ایک دن کا روزہ، پورے سال کے روزوں اور ررات کا قیام، شب قدر کے قیام کے برابر ہے۔

(ترمذی، باب ماجاء فی العمل فی أیام العشر)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

(۲) تکبیر تشریق

تکبیر تشریق، نویں ذی الحجہ کی فجر کے وقت سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر کے وقت تک ہر فرض نماز کے بعد کہنا واجب ہے، شہر ہو یا دیہات، منفرد ہو یا جماعت سے پڑھنے والے ہر ایک پر؛ خواہ عورت ہو یا مرد سب پر ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے، نیز مرد کا آہستہ آواز سے پڑھنا خلافِ سنت؛ البتہ عورت بلند آواز سے نہ کہے۔
(فتاوی دار العلوم زکریا، ۶/ ۴۶۵)

(۳) قربانی

قربانی دین اسلام کی اہم ترین عبادت ہے، اللہ تبارک وتعالی کے ساتھ عشق ومحبت کا مظہر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس میں وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ (ابن ماجہ، کتاب الاضاحی)

اسی لئے ہر مسلمان آزاد مقیم صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے، چاہے ایک ہی گھر میں کئی افراد ہوں، ایک شخص کے قربانی کرنے سے تمام کی طرف سے واجب ادا نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا، ۶/ ۳۱۰)

(۴) توبہ واستغفار

ان پاکیزہ مبارک دنوں میں توبہ واستغفار بھی کثرت سے کرنا چاہئے؛ تاکہ حق جل جلالہ کا قرب اور ان کی رضا حاصل ہو سکے۔

(۵) ذکر اللہ کی کثرت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ جل شانہ کے نزدیک عشرۂ ذی الحجہ کے برابر عظمت والے دن کوئی نہیں اور نہ کسی دنوں میں نیک اعمال اتنے پسند ہیں جتنا ان دنوں میں پسند ہیں، پس تم ان دنوں میں کثرت سے تسبیح (سبحان اللہ) تکبیر (اللہ اکبر) اور تہلیل (لا الہ الا اللہ) کیا کرو۔

(۶) ناخن اور بال نہ کاٹنا

صحیح مسلم وغیرہ میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب ذوالحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کسی کا قربانی دینے کا ارادہ ہو تو وہ بال، ناخن یا کھال کا کچھ حصہ نہ کاٹے، جب تک قربانی نہ دے دے۔ (صحیح مسلم)

لیکن فقہاء کرام نے لکھا ہے یہ عمل صرف مستحب ہے، واجب اور لازم نہیں۔ اگر کوئی عذر ہو یا بال اور ناخن بہت بڑھ چکے ہوں تو ان کے کاٹنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

اصلاحی مضامین

"غین" سے آنے والے پانچ مہلک باطنی امراض

از: مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگر*

حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کے پاس تین عین تھے، لیکن ایک عین نہیں تھا جس کی وجہ سے گمراہ ہوگیا۔ چنانچہ شیطان عابد بھی تھا اور عابد بھی ایسا کہ لاکھوں سال عبادت کی اور شائد زمین کا کوئی چپہ ایسا رہا ہو جہاں اس نے سجدہ نہ کیا ہو، اور عارف بھی بلا کا تھا کہ عین حالتِ غضب میں درخواست کردی "رَبِّ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ" (مجھے مہلت دیجیے قیامت کے دن تک تاکہ میں آپ کے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں)، کیوں کہ اس کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ حالتِ غضب میں بھی تأثر اور انفعال سے پاک ہیں اور دعا قبول کرنے پر قادر ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر یہ ظالم اَنْظِرْنِیْ کے بجائے اُنْظُرْ اِلَیَّ کہہ دیتا تو اس کی معافی ہوجاتی۔ اور یہ عالم بھی غضب کا ہے کہ ہر نبی کا زمانہ پایا ہے اور ہر نبی کے دین کی کلیات اور جزئیات سے واقف ہے، لیکن ایک عین شیطان کے پاس نہیں تھا یعنی عشق کا عین نہیں تھا جس سے وہ گمراہ ہوگیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عاشق نہیں تھا، اگر عاشق ہوتا تو کبھی گمراہ نہ ہوتا اور اپنے قصور کا اعتراف کرلیتا، بالکل اسی طرح ایک ایمان والے کو گمراہی و ہلاکت سے محفوظ رہنے اور اپنی آخرت و عاقبت کو درست کرنے کے لیے "غین" سے آنے والی پانچ خصلتوں سے محفوظ رہنا ضروری ہے، یہ تمام خصلتیں انسان کے باطن سے تعلق رکھتی ہیں، اپنے نفس اور باطن کو اُن سے پاک رکھنا اور اپنے مزاج میں ان کا تأثر پیدا ہونے سے حتی الامکان خود کو بچائے رکھنا ہر مؤمن کے لیے ازحد ضروری ہے؛ ذیل کی سطور میں ان کی تفصیلات ذکر کی جاتی ہے۔

(۱) غیبت:

غیبت کا مطلب حدیث رسول ﷺ کے مطابق اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دینا جو اس کو ناگوار ہو، امام غزالی نے غیبت کی یہ تعریف لکھی ہے: "غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرو جو اگر وہ خود سنے تو اسے ناگوار گزرے، خواہ وہ عیب اُس میں ہو یا نہ ہو"۔ (اِحیاءعلوم الدین، جلد 3)

* خادم تدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

غیبت ایک ایسا عظیم اور عام گناہ ہے کہ جس سے شاید ہی کوئی محفوظ ہو، حتیٰ کہ اہل علم اور صاحب مرتبہ لوگ بھی کسی نا کسی طرح غیبت کر ہی دیتے ہیں، نفس امّارہ کا مکر تو دیکھیے کہ ہم یہ تک کہہ دیتے ہیں کہ اگر کہوں گا تو غیبت ہو جائے گی لیکن کیا کریں مجبوراً بتانا پڑ رہا ہے۔ جب کہ غیبت اللہ کی نظر میں انتہائی خبیث عمل اور بدترین درجے کا گناہ ہے، اس کی قباحت پر نکیر کے بعد اللہ پاک نے بڑا ہی عجیب استفہام فرمایا ہے:

" اور ٹوہ میں نہ لگو اور نہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ (الحجرات: ۱۲) یعنی ذرا تصور کریں کہ کیا ایک انسان کسی انسان کا گوشت کھانے کے بارے میں سوچ سکتا ہے؟ اور بالخصوص جب کہ وہ گوشت خود اس کے مرے ہوئے بھائی کا ہو؟ بس اللہ پاک کو یہی سمجھانا ہے کہ جیسے اس بات کو سن کر تمہاری طبیعت میں تکدر پیدا ہو رہا ہے ایسے ہی غیبت کرتے وقت ہونا چاہیے، کیوں کہ غیبت بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایسے ہی ناپسندیدہ عمل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر معراج سے واپسی کے بعد غیبت کرنے والوں کے انجام بد سے امت کو باخبر کیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " جب میں معراج پر گیا تو ایک قوم کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو کہا گیا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے (یعنی غیبت کرتے تھے) اور ان کی بے عزتی کرتے تھے۔" (سنن ابی داود: 4878)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ غیبت کے حرام ہونے پر ساری امت کا اجماع ہے، نیز غیبت سے انسان کی نیکیاں بھی برباد ہوتی ہیں اور وہ ان لوگوں کے نامۂ اعمال میں چلی جاتی ہیں جن کی ہم نے غیبت کی، چنانچہ شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں: غیبت عمل کو ایسے خراب کرتی ہے جیسے سرکہ شہد کو۔ (الرسالة القشيرية، ص: 85) اور بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں: " اگر مجھے کسی کی غیبت کرنی ہی ہوتی تو اپنے والدین کی کرتا، کیونکہ وہی میری نیکیوں کے زیادہ حق دار ہیں۔ (تذکرۃ الأولیاء، ص: 115)

الغرض غیبت کا اخروی انجام بھی برا ہے اور دنیاوی اعتبار سے بھی غیبت خساست اور گھٹیا پن کی علامت ہے؛ تو غیبت " غ " سے آنے والی پہلی صفت ہے جس سے ہم مسلمانوں کو بالخصوص اہل علم کو بچنا چاہیے۔

(۲) غضب:

’’غ‘‘ سے آنے والی دوسری خصلت غضب ہے جس کو اردو میں غصّہ کہا جاتا ہے، نبی علیہ السلام کو اللہ پاک نے جن کمالات باطنیہ وطبعیہ سے نوازا ہے ان میں اہم وصف مزاج کی نرمی ہے، یہی وہ وصف ہے جس

کے سبب صحابہؓ آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے، اللہ پاک نے اس مضمون کو یوں بیان کیا: "ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر!) تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہوجاتے۔ لہذا ان کو معاف کردو، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو" ۔ (آل عمران:159) اور اسی مزاج کی نرمی اور غصے کے ہضم کر لینے کو اہل ایمان کا خاصہ قرار دیا گیا ، چنانچہ مومنین صالحین کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے باری تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور (نیک لوگ) وہ ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (سورۃ آل عمران:134)

غصے کا ایک بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ اس سے باہمی دوریاں اور رشتوں میں تلخیاں پیدا ہوتی ہیں بالخصوص میاں بیوی کے درمیان کا تعلق بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے حتی کہ اس کے اثرات نسل و اولاد تک منتقل ہوتے ہیں، کیوں کہ رشتوں کو کاٹنا شیطان کا محبوب عمل ہے اور نبی علیہ السلام نے غصے کو شیطانی اثر بتلایا ہے، فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: "غصہ شیطان کی طرف سے ہے، اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے، اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وضو کرے۔" (سنن ابی داود:4784)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ کو غصے سے بچنے کی بہت تلقین کیا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے حضور سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت کیجیے؛ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بار بار استفسار پر بس یہی فرماتے رہے کہ "غصہ مت کرو" ۔ (صحیح بخاری)

امام غزالیؒ لکھتے ہیں: غصہ شیطان کے لشکروں میں سے ایک ہے، جب بندہ اسے آزاد چھوڑ دیتا ہے تو یہ اس کا دین اور دنیا دونوں برباد کر دیتا ہے۔ (إحیاء علوم الدین، کتاب ذم الغضب)؛ حضرت سرّی سقطیؒ فرماتے ہیں: "ہر گناہ کی جڑ غصہ ہے، اور ہر نیکی کی جڑ حلم (بردباری) ہے۔ (طبقات الصوفیۃ، ص:128)

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: جو شخص غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے، اس کا دل فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ (الرسالة القشیریة، ص:89)

بہر حال! غصہ ایک مذموم خصلت ہے اور رشتوں کے لیے سمّ قاتل ہے، دنیا و آخرت کو برباد کرنے والی چیز ہے جس سے بچنا، اور غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو پانا درحقیقت کمال عقل کی دلیل ہے۔

(۳) غلّ

''غ'' سے آنے والی تیسری صفت غلّ کے معنیٰ آتے ہیں بغض و کینہ (یعنی دل میں نفرت، دشمنی اور بدنیتی

چھپائے رکھنا)، اسلام میں یہ نہایت ہی خبیث اور سخت ناپسندیدہ عمل ہے، انسان کو صاف اور کشادہ دل ہونا چاہیے، بغض وحسد کم ظرفی کی علامت ہے، یہ کس قدر قابل مذمت چیز ہے آپ اُس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ بغض وکینہ کے ساتھ جنت میں داخلہ ہی نہیں ہوسکے گا، اللہ پاک سب سے پہلے اہل جنت کے قلوب کو اس صفت سے پاک فرمائیں گے۔قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" ان کے سینوں میں جو کچھ رنجش ہوگی ،اسے ہم نکال پھینکیں گے، وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے اونچی نشستوں پر بیٹھے ہوں گے"۔ (الحجر:٤٧)

اللہ پاک قیامت کے دن ان لوگوں کی بخشش کریں گے جن کے دل سالم یعنی ہر طرح کے حسد، رنجش کینہ کپٹ سے پاک ہوں جیسا کہ قرآنی شہادت ہے:" جس دن نہ مال فائدہ دے گا نہ بیٹے، سوائے اس کے جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئے۔" (الشعراء:88-89)

ایک صحابیؓ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جنتی ہے، جب ان سے تحقیق کی گئی کہ وہ کیا خاص عمل ہے جس کے سبب حضور نے ان کو جنتی بتلایا، تو انہوں نے بتایا کہ میرا سینہ کینہ اور حسد سے پاک ہوتا ہے، حسد وکینہ انسان کے لیے مغفرت سے رکاوٹ کا بھی سبب ہے، جیسا کہ ایک حدیث ہے: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ’’لوگوں کے اعمال ہفتہ میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کے دن پیش کئے جاتے ہیں اور ہر مسلمان بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے سوائے اس بندے کے جو اپنے بھائی کے ساتھ کینہ رکھتا ہو۔ کہا جاتا ہے ’اسے چھوڑ دو یا مہلت دو حتّٰی کہ یہ رجوع کر لے‘‘۔(صحیح مسلم:٢٥٦٥)

حسد وکینہ کو علماء نے نہایت ہی خطرناک باطنی خرابیوں میں شمار کیا ہے، حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:" بندہ صفاء (روحانی پاکیزگی) کے مقام تک نہیں پہنچتا جب تک دل کو کینہ اور حسد سے پاک نہ کرے"۔(طبقات الصوفیہ، ص:130)

بہر حال یہ" غل" یعنی حسد وکینہ ایسی خصلت ہے جس سے اپنے قلب کو پاک رکھنا حسنِ اخلاق اور اعلی معیار کی نشانی ہے، اور اسی سے سے انسان اللہ کی نظر میں مقام پاتا ہے۔

(۴)غرور

’’غ‘‘ سے شروع ہونے والی چوتھی صفت غرور ہے؛ عربی میں غرور کا معنیٰ الگ ہے لیکن اردو میں غرور " تکبر وانانیت اور خود کو بہتر سمجھنے" کو کہا جاتا ہے جو کہ شریعت میں انتہائی مبغوض اور اللہ کے عتاب کا باعث صفت ہے، متکبر شخص کو اللہ پاک ذلیل وخوار کر دیتے ہیں، نیز تکبر کرنے والا دنیا والوں کے دلوں سے بھی اتر جاتا ہے،

غرور وتکبر اللہ پاک ہی کے لیے سزاوار ہے، جو بندہ تکبر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم ہوجاتا ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے:" بے شک وہ (اللہ) تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" (النحل:۲۳)

حدیث قدسی میں تو اللہ پاک نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ: بڑائی میری چادر اور عظمت میری تہبند ہے، جو کوئی ان میں سے کسی ایک میں میرے ساتھ جھگڑا کرے، میں اسے جہنم میں پھینک دوں گا۔(صحیح مسلم:2620)

یعنی جو بندہ تکبر کرتا ہے گویا وہ اللہ سے اس کی چادر چھین رہا ہے، اب اس کو یوں سمجھیے کہ اگر کوئی سر بازار آپ کے جسم کا کرتا چھین لے تو اس پر آپ کی غیرت وغضب کا کیا عالم ہوگا؟ بالکل اسی طرح متکبر بندہ گویا اللہ کی چادر کے ساتھ تعرض کر رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رتی برابر بھی تکبر ہو۔" (مسلم:91)

امام غزالیؒ رقمطراز ہیں: تکبر ہلاکت میں ڈالنے والا مرض ہے، اور دین میں ہر مصیبت کی جڑ ہے۔(اِحیاء علوم الدین، کتاب ذم الکبر) جنید بغدادیؒ نے اس کو معرفت رب سے محرومی کی علامت قرار دیا ہے: چنانچہ آپ کا ملفوظ ہے: متکبر اللہ سے پردے میں ہوتا ہے؛ نہ وہ اللہ کو پہچانتا ہے اور نہ اللہ اسے پہچانتے ہیں۔(طبقات الصوفیۃ، ص:133)؛ یہی بات حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے بھی بیان فرمائی کہ: سب سے سخت پردہ تکبر ہے، اور جو تکبر کرتا ہے وہ اللہ کی معرفت سے محروم ہوجاتا ہے۔(تذکرۃ الأولیاء، ص:121)

اور بھی بہت ساری وعیدیں اور علماء کی تنبیہات تکبر کے متعلق مذکور ہیں، صوفیا نے روحانی ترقی کے باب میں تکبر کو بڑی رکاوٹوں میں شمار کیا ہے، لہذا اس حرام عمل سے ہر مؤمن کو احتراز کرنا چاہیے، اور اپنے دل کو اس سے حتی الامکان پاک رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۵) غفلت

''غ'' سے آنے والی پانچویں صفت غفلت ہے؛ غفلت کا مطلب ہوتا ہے اپنے مقصد کو فراموش کر کے بے توجہ رہنا، غفلت چاہے امورِ دنیا سے ہو یا امورِ عقبیٰ سے؛ بہر صورت نقصان دہ چیز ہے، البتہ بندۂ مومن کے لیے اخروی امور واعمال سے بے توجہ رہنا اور مشاغل دنیا میں اس قدر منہمک رہنا کہ آخرت کی تیاری کی فکر ہی نہ رہے، عین غفلت ہے۔ ایک عالم صاحب نے غفلت کا مفہوم لکھا ہے:" غفلت ایسی بھول ہے جو انسان پر اس کی لاپروائی اور چوکسی کی کمی کی وجہ سے طاری ہوتی ہے، غفلت کا مطلب ہے نفس کی خواہشات کی پیروی کرنا۔

غفلت قلب انسانی کے لیے سخت نقصان اور ضرر کا باعث ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:''اور اپنے رب کو جی ہی جی میں صبح وشام یاد کرو، عاجزی اور خوف کے ساتھ اور پست آواز سے اور غافلوں میں سے نہ بنو۔''

(الأعراف 205)۔ اس آیت شریفہ میں خدا سے غافل رہنے اور غافلوں کے ساتھ رہنے سے اللہ پاک نے اہل ایمان کو تنبیہ کی ہے۔

نیز ایک دوسری جگہ فرمایا: "(اب) تم مزہ چکھو کہ تم نے اپنے اس دن کی پیشی کو بھلا رکھا تھا، بے شک ہم نے تم کو بھلا دیا ہے اور اپنے اُن اعمال کے بدلے جو تم کرتے رہے تھے دائمی عذاب چکھتے رہو" (سجدہ:۱٤) یعنی جو بندے خدا کو اور اپنے اخروی انجام کو بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے ہولناک دن جس وقت اللہ پاک کے علاوہ کوئی پرسانِ حال و مددگار نہ ہوگا ایسے بندوں سے منہ موڑ لے گا؛ یہ گویا ایک زبردست عتاب و دھمکی ہے جس سے ہر شخص کو چوکنا ہو جانا چاہیے، ایک دوسری آیت میں قرآن پاک نے غافلین کا بڑا ہی عجیب نقشہ کھینچا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اور ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ جہنم کے لیے پیدا کیے۔ ان کے پاس دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں"۔ (الاعراف:۷۹)

بس اسی آیت میں ہم غافل بندوں کو غور و تدبر کر لینا چاہیے کہ اگر کوئی ہم کو جانور کہتا ہے تو ہم کس قدر غضبناک ہو جاتے ہیں لیکن ہماری اپنی طرزِ زندگی کے مطابق تو ہم اللہ کی نظر میں جانور بلکہ اس سے بھی بدتر ہیں؛ آج امت مسلمہ کے تقریباً اسی نوے فیصد لوگوں کو آخرت کی پروا نہیں، دنیا میں ایسے مگن ہیں جیسے یہی ان کا آخری گھر ہے، اپنی متاعِ حیات کا ایک بڑا حصہ لایعنی اور فضول کاموں میں صرف کرتے ہیں، امت کے اسی مزاج کی نبض شناسی کرتے ہوئے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک کی دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سارے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں اور وہ ہیں (انسانی) صحت اور (انسان کا اپنا) فارغ وقت۔ (صحیح بخاری:٦٤١٢) یعنی انسان کے پاس بہت سارا وقت ہوگا جس میں وہ اپنی آخرت کے لیے خوب تیاری کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ بیکاری و غفلت میں اپنا وقت ضائع کرے گا، بے کاری و غفلت اتنی خطرناک چیز ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ حسرت و ندامت اسی پر ہوگی، چنانچہ امام ابن جوزیؒ نے فرمایا: "ابنِ آدم پر جو بھی لمحہ بغیر ذکرِ الٰہی کے گزرتا ہے، وہ قیامت کے دن اُس پر افسوس کرے گا۔" (صفة الصفوہ) نیز شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بھی اس مفہوم کی تائید کی ہے کہ مومن کو جنت میں ایسی نیکیاں یاد آ سکتی ہیں جو وہ کر سکتا تھا لیکن نہیں کیں، اور ان پر افسوس ہو سکتا ہے۔

------ (بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

اصلاحی مضامین

سوانحِ اسلاف ،نوجوانانِ ملت کے لئے مشعلِ راہ ہے

از: مولانا مفتی ندیم الدین قاسمی*

مفکرین و محققین نے امت کی زبوں حالی، تنزل وانحطاط، اسلام سے دوری، اعمالِ صالحہ کے انجام دہی میں کسل مندی اور غفلت شعاری کی متعدد وجوہات بیان کی ہیں؛ من جملہ ان کے ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ امت نے اپنا درخشاں وتاباں ماضی، اکابرین واسلاف کی پاکیزہ زندگی، ان کے علمی وعملی کارناموں کوفراموش کردیا ہے، جس کالازمی نتیجہ یہ ہے کہ اب جذبوں میں حرارت ایمانی ہے نہ حوصلوں میں پختگی، نہ روح میں تازگی، نہ افکار میں بلندی؛ بلکہ پست ہمتی، پژمردگی، مغربی تہذیب وکلچر انہیں ذریعۂ نجات، نظامِ اسلام انہیں فرسودہ اور روشن اسلامی تاریخ قصۂ پارینہ" ان ھی الا اساطیر الاولین " نظر آتی ہے۔

سوانحِ اسلاف کامطالعہ کیوں ضروری؟

تجربہ شاہد ہے کہ بزرگان دین کی سوانح اوران کی حکایات میں ایک خاص نور ہوتا ہے جو سننے والے پر کچھ درجہ وہی اثر رکھتا ہے جوصحبت سے حاصل ہوتا ہے، ایک مقولہ مشہور بھی ہے" عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة (تذکرۂ صالحین حصولِ رحمت کا ذریعہ ہے)؛ اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ’’اَلْحِكَايَاتُ عَنِ الْعُلَمَاءِ وَمَحَاسِنُهُمْ أَحَبُّ إِلَيَّ لِأَنَّهَا آدابُ الْقَوْم‘‘ ’’علما کی حکایات اوران کے محاسن کا تذکرہ میرے نزدیک بہت زیادہ محبوب ہے؛ کیوں کہ وہ قوم کے آداب ہیں۔‘‘

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ خدامستوں، خاصانِ خدا، کی سوانح، اوران کے افکاروخیالات، میں سکونِ دل کا خاصا بیش قیمت سرمایہ پنہاں ہوتا ہے، جن کی زندگی کے مطالعہ سے روح کوتازگی، فکرکو پاکیزگی، اورخیالات کو بلندی حاصل ہوتی ہے، جن کی زندگی کے مختلف روشن پہلوؤں سے پس آئندگان کو روشنی ملتی ہے، اس سے احسان شناسی کا جہاں فرض ادا ہوتا ہے تو وہیں نفع رسانی کا جذبہ بھی پروان چڑھتا ہے، معاصی سے رکنے کی ہمت آتی ہے، نیز اسلاف کی زندگیوں کے مطالعہ سے زندگی میں تقوی وطہارت، عبادت وریاضت، حق گوئی، جرأت،

خودداری، خودی وخوداعتمادی، بادشاہوں، حکمرانوں، اورارباب اقتدار وسلطنت کے سامنے حق گوئی، احقاقِ حق اورابطال باطل جیسے صفات پیدا ہوتی ہیں، نیز ان حضرات کے تذکروں سے گم کردہ راہ مسافر کونشانِ منزل کا پتہ ملتا ہے۔تو اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ آج امت، بالخصوص نوجوانانِ ملت اسلامیہ کو اپنے اسلاف کی رفعتوں وبلندیوں اوران کے علمی وفکری کمالات وعجائبات، نیز ان کی پاکیزہ وروح پرور زندگیوں سے متعارف کیا جائے؛ تاکہ امت نئی تہذیب کے دلدل و مادہ پرستانہ طرز زندگی سے اپنے آپ کو نکال کر، اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل سکیں۔اس کے نتیجہ میں امت دارین کی فوزوفلاح اوراصلاح وبہتری سے بہرہ یاب ہوجائے۔

احب الصالحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

میں نیک اورصالح لوگوں سے محبت کرتا ہوں اگرچہ میں خود نیک وصالح نہیں ہوں، بعید نہیں کہ اس محبت کی بناء پر اللہ تعالیٰ مجھے بھی صلاح وتقویٰ سے نوازدے۔اورایک دوسرے شاعر نے کہا:

تشبھوا ان لم تکونوا مثلھم
فان التشبہ بالکرام فلاح

اللہ اورصلحاء کی مشابہت اختیار کرو؛ اگرچہ تم ان کے مشابہ نہیں ہو، بیشک اہل اللہ اورنیک لوگوں کی مشابہت اختیار کرنے میں بھی کامیابی وکامرانی اورفلاح وسعادت ہے۔

....

(بقیہ صفحہ ۳۶ سے)

اگرانسان اس استحضار کے ساتھ روزہ رکھے اوررمضان گزارے تو یقیناً رمضان کے اختتام پر اس کا سینہ نورِتقویٰ سے منور ہوجائے گا، اورمغفرت کا وعدہ پورا ہوجائے گا، اب جب عید کے دن عیدگاہ سے نماز پڑھ کے لوٹ رہا ہوگا تب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ارجعوا قد غفرت لکم وبدلت سیاتکم حسنات اس مژدۂ جاں فزا کو لینے کے واسطے ہی یہ سب کرنا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو نصیب فرمائے۔آمین

لمحہ فکریہ

غزہ میں انسانیت دم توڑ رہی ہے!

از: حضرت مولانا سید احمد ومیض ندوی نقشبندی مدظلہ *

گزشتہ کئی ہفتوں سے غزہ کی المناک صورتحال اور اخبارات میں شائع انتہائی دہلا دینے والی خبروں کو دیکھ کر ذہن جیسے ماؤف ہوگیا ہے، اور دل کی دنیا میں ہلچل مچی ہوئی ہے، راتوں کی نیند اڑ گئی ہے، اور دن کا چین روٹھ گیا ہے، غزہ کے بے یار و مددگار فلسطینی مسلمانوں کی حالت زار نے مجھ جیسے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کو قلق و اضطراب میں مبتلا کر رکھا ہے، غزہ کی موجودہ المناک صورتِ حال کو بیان کرنے کی نہ قلم میں سکت ہے اور نہ زبان میں اس کے اظہار کی ہمت، دل ماتم کناں اور زبان نوحہ خواں ہے، مسلسل اضطراب اور بے چینی نے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا ہے، دماغ سے جیسے سوچ وفکر سلب کر لی گئی ہو، غزہ کی المناک صورتِ حال کی منظرکشی کے لیے ایک ایمانی جذبے سے سرشار صحافی کی یہ چند سطریں مستعار لے رہا ہوں: غزہ میں قیامت کا سماں ہے، ہر سو چیخ و پکار ہے، زمین دہک رہی ہے، اور تباہ کن بم برسنے کے بعد دھوئیں کے مرغولوں سے آسمان سیاہ ہو چکا ہے، ہوا میں بارود کی بُو رچی ہے، اور دیواروں پر آنسوؤں کی نمی ثبت ہے، غزہ کی گلی کوچوں میں موت کا عفریت رقص کناں ہے، جہاں کبھی بچوں کی ہنسی گونجتی تھی، آج وہاں خاموشی ماتم کر رہی ہے، کسی باپ کے بازو میں بیٹے کی لاش ہے، تو کسی ماں کی گود خالی ہے، آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں، شاید آنسو بھی ختم ہو چکے ہیں، کسی کھنڈر میں دبے ہوئے ہاتھ میں ایک پرانا کھلونا ہے، جس سے ابھی زندگی لپٹی ہوئی تھی، کوئی بچی اپنی ماں کو آواز دے رہی ہے، جو ملبے کے نیچے ہمیشہ کے لیے سو گئی ہے، ایسا لگتا ہے جیسے پورا شہر ایک اجتماعی قبر میں بدل چکا ہے، جہاں سانس لینا بھی جرم ہے، غزہ میں زندگی کی تعریف بدل گئی ہے، زندہ وہ نہیں جو سانس لے رہا ہے، بلکہ وہ ہے جس کی لاش کو دفنانے کی جگہ مل گئی ہو، دنیا تماشائی ہے، اقوام متحدہ کے کاغذوں پر قراردادیں گرد اڑا رہی ہیں، جبکہ بچوں کی چیخیں زمین پر لکھا جانے والا سب سے خاموش احتجاج بن چکی ہیں" غزہ پر مسلط کی گئی دہشت گردی کوئی جنگ نہیں بلکہ یہ فلسطینیوں کی نسلی تطہیر اور ان کی نسل کشی ہے، اس تباہ کن

* استاذِ حدیث دارالعلوم حیدرآباد

نسل کشی اور محاصرے نے ماں بننے کے مقدس احساس کو بھی اذیت ناک عذاب میں تبدیل کر دیا ہے، غزہ کی ماؤں کی حالت اور اپنے شیر خواروں کے آگے ان کی بے بسی تو نوک قلم پر لائی ہی نہیں جا سکتی، ایک طرف بھوک سے نڈھال جسم اور دوسری جانب اولاد کے چھن جانے کا مسلسل خوف، اس وقت غزہ کی ہزاروں مائیں قابض صہیونی ریاست کی منظم نسل کشی کا سامنا کر رہی ہیں، جس نے بھوک کو ایک خاموش مگر مؤثر گھناؤنے ہتھیار میں بدل دیا ہے، جن ماؤں کی راتیں اپنے بچوں کو دودھ پلانے میں گزرتی تھیں آج وہی مائیں ایک ایک قطرہ دودھ اور ایک ایک نوالے کے لیے در بدر بھٹک رہی ہیں، غزہ میں جنگ نہیں ایک انتہائی بھیانک انسانی بحران جنم لے رہا ہے، جس سے ایک پوری قوم کے صفحہ ہستی سے مٹ جانے کا خطرہ لاحق ہو چکا ہے، غزہ ایک مقتل گاہ منظر پیش کر رہا ہے، جہاں ہر طرف لاشیں بکھری ہوئی ہیں، ٹرکوں کے ذریعے کفن کے بنڈل لائے جا رہے ہیں، قبرستان کی زمینیں تنگ دامنی کا شکوہ کر رہی ہیں، ہر دن ایک نیا المیہ جنم لے رہا ہے اور ہر طرف صہیونی درندوں کی شکل میں موت رقص کرتی نظر آ رہی ہے، غزہ ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے، جہاں ہر طرف ویرانی ہی ویرانی ہے، غزہ کی گلیوں میں صہیونی درندے دندناتے پھر رہے ہیں، بازار خالی ہیں، گودام ویران ہیں، اور بند سرحدی راستے صداؤں کو تک دبا رہے ہیں، اپنے جگر گوشوں کے بچھڑنے کے کرب نے غزہ کی ماؤں کے چین سکون کو چھین لیا ہے، زچگیوں کی صورتحال تو انتہائی ناگفتہ بھی ہے، ماں بھی بھوکی، بچہ بھی بھوکا، اسپتال تک رسائی ایک خواب بن گئی ہے، ماؤں کے سامنے ان کے شیر خواروں کا بھوک سے تڑپ تڑپ کر جان دینا ان کے لیے ایک عذاب بن چکا ہے، آنکھوں کے سامنے ایک طرف ادھ مردہ بچے اور دوسری طرف ماؤں کا بے بسی میں ٹوٹتا دل ایک ایسا منظر ہے جس کا الفاظ میں اظہار ممکن نہیں، اس وقت غزہ کی ماؤں کا ایک ہی سوال ہے، اور وہ یہ کہ ہم اپنے بچوں کو موت کی گود سے کیسے بچائیں؟ مارچ 2025 کے آغاز میں جوں ہی جنگ بندی کی پہلی مدت ختم ہوئی قابض اسرائیل نے اپنے فوجی حملے دوبارہ شروع کر دیے اور اس کے ساتھ غزہ کا محاصرہ پہلے سے زیادہ سخت کر دیا گیا، سارے سرحدی راستے بند کر دیے گئے، انسانی امداد اور خوراک کی رسائی پر مکمل روک لگا دی گئی، اب حالت ایسی ہے کہ ایندھن ختم ہونے کی وجہ سے سارے تنور بند ہو چکے ہیں، اسی طرح جن مقامی مراکز سے لاکھوں فاقہ زدہ فلسطینیوں کو کھانا ملا کرتا تھا وہ بھی بند پڑے ہیں، بازاروں میں ضروری اشیاء ناپید ہیں اور جو تھوڑا باقی ہے وہ اتنا مہنگا ہے کہ عام شہریوں کی پہنچ سے باہر ہو چکا ہے، صہیونی درندوں کی سفاکیت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ خوراک کے لیے جمع ہونے والے شہریوں کو بھی گولیوں کا نشانہ بنا رہے ہیں، جس کے نتیجے میں فاقے میں ڈوبے انسانوں کی تکلیف دہ حالت ایک دل دہلانے والا منظر پیش کر رہی ہے، غزہ میں ہر دن ایک نئی

آزمائش اور ہر رات ایک نئی داستان ستم رقم ہورہی ہے،غزہ کی ہر ماں کی الگ دردناک کہانی ہے،گزشتہ دنوں ایک چھ ماہ کی فلسطینی بچی سیوار عاشور کے شدید کمزور اور لاغر جسم کی تصویر نے دنیاوالوں کو ہلا کررکھ دیا تھا،اور وہ غزہ میں بھوک وافلاس کی ایک علامت بن گئی تھی،اخباری رپورٹوں اور میڈیا کوموصول مواد میں غزہ کی ماؤں کی ایک سے ایک دل دہلانے والی کہانی بیان کی گئی ہے،غزہ کی ایک ماں آیہ سکافی صرف 21 برس کی ماں ہے،اس نے فلسطینی مرکز برائے انسانی حقوق کو بتایا کہ اس کی نومولود بیٹی جنان جنگ کے سائے میں پیدا ہوئی،ابتدا میں وہ صحت مند تھی،ماں کا دودھ پیتی رہی،لیکن جب محاصرہ سخت ہوا،خوراک کی قلت ہونے لگی تو وہ بھی لاغری اور قحط کی لپیٹ میں آگئی یہ کہتے ہوئے آیہ کی آواز گلوگیر ہوگئی کہ دودھ تھا نہ خوراک،میری بیٹی کمزور ہوتی گئی آخر کار وہ دودھ بھی نہیں پیتی تھی اور مسلسل اس صورتِ حال نے اسے نڈھال کردیا،ہم نے اسے غزہ کے باہر علاج کے لیے لے جانا چاہا مگر راستے بند تھے،تین مئی کو وہ میری گود میں دم توڑ گئی،بھوک کی درد میں ڈوبی آکسیجن مشین پر اس نے آخری سانس لی اور میں کچھ بھی نہیں کرسکی،ذرائع کے مطابق غزہ میں حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین بدترین غذائی قلت کا شکار ہیں۔ 35 سالہ ایک حاملہ خاتون صرف دال اور ابلے ہوئے آٹے کے پیسٹ کے اوپر گزارا کررہی ہیں،اس نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ میرا بچہ زندہ بھی پیدا ہوگا یا نہیں،جسم کمزور ہے،بال جھڑرہے ہیں،چکر آتے ہیں اور نہ کوئی دودھ ہے نہ متوازن خوراک۔تین سالہ نعمت کا دل دن رات لرزتا ہے،اس کی ایک سالہ بیٹی ندا رینگ سکتی ہے نہ کھڑی ہوسکتی ہے،اس کا وزن صرف سات کلو ہے،وہ بتاتی ہے کہ میں خود اتنی کمزور ہوں کہ دودھ بھی نہیں پلاسکتی اور جو تھوڑا بہت دودھ دستیاب ہے وہ بہت مہنگا اور نایاب ہے،غزہ میں اس وقت ہر ماں کرب سے گزر رہی ہے،ہر گھر میں فاقہ ہے،اور ہر دل پر خوف ودہشت طاری ہے،سرکاری اعداد وشمار کے مطابق اب تک 50 سے زیادہ بچے بھوک کی وجہ سے شہید ہو چکے ہیں،غزہ میں 65 ہزار سے زائد بچے شدید غذائی قلت کا شکار ہیں۔

اب تو خود سابق اسرائیلی عہدے دار بھی فلسطینی بچوں پر ڈھائے جانے والے ستم پر چیخ اٹھے ہیں،چنانچہ اسرائیلی فوج کے سابق ڈپٹی چیف آف اسٹاف اور اپوزیشن پارٹی کے رہنما یائر گولان نے نیتن یاہو پر شدید تنقید کرتے ہوئے کہا کہ غزہ میں بچوں کو مارنا ہمارا مشغلہ بن چکا ہے،اور بطور ریاست ہم عالمی تنہائی کے خطرے سے دوچار ہیں،انہوں نے امریکی نشریاتی ادارے این بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ایک باشعور ملک عام شہریوں کے خلاف جنگ نہیں لڑتا،اور بچوں کو مارنا اس کا مشغلہ نہیں ہوتا،انہوں نے جنوبی افریقہ کی نسل پرست حکومت سے اسرائیلی اقدامات کا موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ یہودی قوم نے تاریخ میں ظلم،قتل عام اور نسل کشی کا

سامنا کیا اب خود وہی اقدامات کر رہی ہے، غزہ میں بڑھتی ہوئی اسرائیلی درندگی پر یورپ بھی چیخ اٹھا ہے، گزشتہ اتوار کو نیدر لینڈ کے دارالحکومت ہیگ میں کیے گئے عوامی احتجاج میں ایک لاکھ سے زائد افراد شریک ہوئے، اور ڈچ حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اسرائیل سے تمام رابطے منقطع کرے، مظاہرین نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ غزہ میں جاری نسل کشی کی جنگ کے لیے اسرائیل کے خلاف سخت موقف اختیار کرے، سابق اسرائیلی وزیر اعظم ایہوداولمرٹ نے کہا کہ ہزاروں بے گناہ فلسطینی مارے جارہے ہیں اور بڑی تعداد میں اسرائیلی فوجی بھی ہلاک ہورہے ہیں، یہ جنگ بے مقصد ہے، اس کے ذریعے کوئی ہدف حاصل نہیں کیا جاسکتا، غزہ میں جاری بربریت کو دنیا کے بیشتر بڑے ملکوں نے نسل کشی قرار دیا، اور غزہ میں ایک پوری قوم کی جو کھلے عام نسل کشی کی جارہی ہے اس پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے بہت سے ممالک نے اسرائیل سے تمام تجارتی تعلقات ختم کرنے کا اعلان کیا ہے، کینیڈائی وزیر اعظم مارک کارنے کہا کہ غزہ میں اسرائیل کے ہاتھوں جو کچھ ہورہا ہے وہ جنگ نہیں بلکہ فلسطینی قوم کی نسل کشی ہے، اقوام متحدہ تو بار بار غزہ میں جاری فلسطینیوں کی نسلی تطہیر کی طرف دنیا کو متوجہ کر چکی ہے، اسپین کے وزیر اعظم پیڈرو نے غزہ میں اسرائیلی جرائم کی وجہ سے اسرائیل کو ایک نسل کش ریاست قرار دیا ہے، اور چند روز قبل اسرائیل سے تمام تجارتی تعلقات کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا ہے، یو این ریلیف کے ہیڈ اور اس کے جنرل سیکرٹری انٹونی بھی کھلے لفظوں میں غزہ میں جاری اسرائیلی درندگی کو قتل عام اور نسل کشی سے تعبیر کیا ہے۔ یہودی شاید یہ بھول گئے کہ جب دنیا کے مختلف حصوں میں ان کا قتل عام کیا جارہا تھا تو مسلمانوں نے ہی انہیں اور نسطوری عیسائیوں کو پناہ دی تھی، دنیا کی کوئی قوم انہیں اپنے یہاں بسانے کے لیے آمادہ نہیں تھی، آج انسانی حقوق کی علمبردار دنیا کو کیا غزہ کے لوگوں کی بکھری ہوئی لاشوں بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں طبی سہولیات کی عدم فراہمی کے سبب تڑپتے ہوئے مریضوں اور حاملہ عورتوں پر ترس نہیں آتا؟ کیا دنیا کی تمام مہذب قومیں یہ بھول گئیں کہ اقوام متحدہ نے اپنی 11 دسمبر 1946 کی قرارداد میں کیے گئے اس فیصلے کے مدنظر کہ نسل کشی بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہے اور 9 / دسمبر 1948 کو نسل کشی کے انسداد اور سزا سے متعلق کنونشن منظور کی تھی؟ کیا اس کنونشن کی مابعد درج دفعات کی غزہ میں کھلم کھلا خلاف ورزی نہیں کی جارہی ہے؟

میرے ایمانی بھائیو! غزہ کے بھائیوں کے لیے بے شک ہم وہاں پہنچ کر ان کی مدد نہیں کر سکتے لیکن ہم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اشکوں بھرے انکھوں سے اللہ کی بارگاہ میں ہم ان کے لیے دعاؤں کا اہتمام کریں اور اسرائیل جیسے خون خوار درندے کو زک پہنچانے کے لیے اس کی مصنوعات خریدنے سے بالکلیہ احتراز کریں اگر ہم نے اتنا بھی نہیں کیا تو پھر ہمیں اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

مخدومنا ومحبوبنا حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ بعد نمازِ عصر ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں حکیم الامت مجدِدُ الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے "منتخب ملفوظات" (مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ) کی تعلیم فرماتے ہیں، اُن ملفوظات کی توضیح وتشریح کو قارئینِ اشرف الجرائد وعامۂ مسلمین کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ ازمرتب

(۳۸) ارکانِ اربعہ کی حقیقت وحکمت

(الف) ارشاد فرمایا: روزہ کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ ربُّ العزت نے رمضان میں اپنے بندوں کے لئے جو حلال تھا وہ بھی مخصوص وقت میں حرام کردیا، آپ روزانہ دوپہر میں کھانا کھارہے تھے مگر روزہ میں نہیں کھایا، گرمی میں آہستہ آہستہ شدت آرہی ہے، پانی پینے کا اور پیاس کا تقاضا بڑھ گیا ہے؛ لیکن آپ پانی نہیں پیے، عصر کے بعد چھوٹا موٹا ناشتہ کرنے کی عادت تھی، مگر آپ نے اس کی طرف التفات اور توجہ نہیں کی کیوں کہ روزہ ہے، اللہ تعالیٰ کے قانون کے احترام میں کھانا چھوڑ دیا ہے، پینا چھوڑ دیا ہے، خواہش نفس کو چھوڑ دیا ہے، اسی کا نام روزہ ہے۔ انسان کو دو ہی چیزوں کی شدید خواہش ہوتی ہے؛ ایک شہواتِ بطنیہ، اور دوسرے شہواتِ فرجیہ، انھی کے تقاضوں میں انسان بھٹکتا پھرتا ہے، انھی تقاضوں کے ناجائز استعمال کی وجہ سے انسان جانور بن جاتا ہے، انسان باقی نہیں رہتا تو ان دونوں تقاضوں پر کنٹرول کی ضرورت ہوتی ہے، یہ تقاضے اپنی حد میں رہیں تو انسانیت میں کمال پیدا ہوتا ہے اور بے قابو اور غیر معتدل ہوجائیں تو حیوانیت غالب آجاتی ہے، چناں چہ روزہ کے ذریعے نفس کو اعتدال کا خوگر بنایا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ شانہٗ نے جن عبادتوں کا ہمیں پابند بنایا ہے، ان کے ذریعے سے وہ ہمارے اندر کچھ صفات حمیدہ کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں؛ خاص طور سے روزہ کے ذریعے سے یہ مشق کرائی جاتی ہے کہ دیکھو! تم نے کسی کی خاطر حلال بھی چھوڑ دیا ہے، کس کے خاطر چھوڑا ہے؟ وہ کون ہے؟ وہ آپ کا رب ہے،

خالق و مالک ہے، جب اپنے مالک کے لئے حلال بھی چھوڑا جا سکتا ہے تو اس کے حکم سے اور اس کی خوشی کی خاطر سے حرام سے اجتناب کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ بس یہی احساس پیدا کرنا روزہ کا مقصد ہے، باقی کھانے پینے سے کوئی کسی کو مجبور نہیں کر رہا ہے، کوئی پولیس تو نہیں کھڑی ہوئی ہے، کسی نے آپ کو مارنے پیٹنے کی دھمکی تو نہیں دی ہے، کوئی آپ کے سینہ پر بندوق رکھ کر تو نہیں کھڑا ہے، کہ کھاؤ گے تو جان لے لیں گے، ہرگز نہیں! مسلمان رمضان میں یا جب بھی روزہ رکھتا ہے تو کسی جابر کے جبر کے بغیر اپنی خوشی اپنی ہی مرضی سے بطن کے تقاضے بھی چھوڑ دیتا ہے، اور فرج کے تقاضے بھی چھوڑ دیتا ہے، ایسا کیوں کیا کرتا ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہی ہے کہ بندہ کا کوئی مولا ہے، کوئی محبوب ہے، وہ ایسا چاہ رہا ہے تو بندہ ایسا کر رہا ہے؛ تاکہ وہ خوش ہو جائے، اور اسی کی خوشی میں اِس کی خوشی ہے، جب کہ انسان کی زندگی پوری انہی دو تقاضوں کے چکر میں گزرتی ہے، ساری ترقیات اسی کی خاطر ہیں، ساری پیداوار اور ایجادات اسی کے واسطے ہیں، سب کچھ اسی کے چکر میں چل رہا ہے، اور مومن کے اندر بھی یہ سب خواہشیں اور تقاضے موجود ہیں، لیکن وہ ان تقاضوں کو اپنی خواہش سے پوری نہیں کرتا بل کہ اپنے رب کی خوشی کے ماتحت پوری کرتا ہے، روزے والا عمل بندے کو اس لئے دیا گیا کہ یہ ساری دنیا جن دو چکروں میں چکر کھا گئی ہے، ایمان والے بندے اس پر پورا کنٹرول رکھیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ شانہٗ ایمان والوں کو اس کی مشق ایک مہینہ میں کرا کے باقی پورے 11 مہینے اس مشق پر قائم رہنے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں، جب 30، 29 دن نفس پر قابو رکھ سکتے ہیں تو 360 دن کیوں نہیں رکھ سکتے، جب 30 دن تم ہماری خاطر اپنے حلال تقاضوں کو بھی روک سکتے ہو تو برس کے بارہ مہینے اور 360 دن حرام تقاضوں سے کیوں نہیں رک سکتے؟ ایک مہینے تک اللہ تعالیٰ ہم سے حلال چھڑاتا ہے، وہ رحمان و رحیم ہے اس لئے مکمل وقت بھی نہیں چھڑاتا کہ 24 گھنٹے کھانا پینا چھوڑ دو، صرف ٹائمنگ چینج کر دیتا ہے، بجائے اس وقت کھانے کے اس وقت کھالو، بجائے ایسے خواہش پوری کرنے کے ایسے کرلو، صرف ٹائمنگ چینج کرتا ہے، اور مشق کراتا رہتا ہے، تاکہ تم متقی بن جاؤ لعلکم تتقون۔

یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کھلے طور پر بیان فرما رہے ہیں کہ روزہ رکھا کے ہم کوئی راشن کنٹرول نہیں کر رہے ہیں، کہیں کوئی بے وقوف یہ نہ کہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کے پاس تنگی چل رہی ہو، جیسے سال کے آخر مہینوں میں مالیہ کی تنگی ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کے پاس بھی کچھ تنگی اور شاٹیج ہو گا تو راشن کنٹرول کرا دیا، کوئی ایسی تہمت اللہ پر نہ لگائے، اس لیے اللہ تعالیٰ کا قدرتی نظام یہ ہے کہ آدمی رمضان شریف میں جتنی انواع و اقسام کی نعمتیں کھاتا ہے، سال بھر میں وہ کھانے کے لئے یاد بھی نہیں آتیں، رمضان میں برابر یاد آتے رہتے ہیں، یہ بنانا ہے یہ کھانا ہے، دنیا دیکھ

رہی ہے کہ ایمان والے اس مہینہ میں کیسی کیسی نعمتیں کھا رہے ہیں، بعض بے ایمان تو بول بھی رہے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا خوب کھانے کا مہینہ ہے، مارکیٹ میں فروٹ کا ریٹ بڑھ جاتا ہے، اور بے حساب فروٹ آتا ہے، اتنا کھجور فارن کنٹریز سے آتا ہے کہ کبھی نظر نہیں آتا، کسی کے تہوار میں نظر نہیں آتا، آنکھیں دیکھتی ہیں کہ رمضان میں مسلم دنیا جتنا کھا پی لیتی ہے، اور صرف کھانے ہی میں نہیں کھلانے میں بھی جتنا خرچ کر لیتی ہے، اتنا تو کسی قوم میں سوچا بھی نہیں جا سکتا، ایسا کیوں؟ اللہ پاک دکھانا چاہتے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ میرے پاس کوئی تنگی ہوئی ہے، میں تو تم لوگوں کی تربیت کے لیے بس ٹائم ٹیبل بدل رہا ہوں، اور جتنا راشن شعبان میں ملا تھا، اور شوال میں جتنا ملے گا، اس سے بھی زیادہ تم کو رمضان میں ملے گا، اور سب کو مل رہا ہے، امیر کو بھی غریب کو بھی، سبھی لوگ روٹین سے زیادہ کھاتے ہیں۔

بہرحال! اللہ تعالیٰ کا تو اصل مقصد ہوا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی تم کو حرام سے بچنے کی پریکٹس ہو جائے، حلال سے رکوا کر بس یہ مزاج بنا دینا چاہتا ہے کہ جب اللہ کے خاطر حلال سے رُک سکتے ہو تو اسی اللہ کی خاطر حرام سے بھی رک جانا چاہیے۔ اب سال بھر اسی تصور اسی سوچ کی قوت اور یقین سے حرام سے بچو، رمضان کے بعد حلال کی کوئی پابندی نہیں، دن بھر جب چاہے کھاؤ، پیو، خواہشِ نفس پوری کرو لیکن حرام سے بچو۔

عجیب بات ہے کہ مسلمان رمضان میں تو بڑے پابند ہوتے ہیں، عام لوگ بھی رمضان میں روزہ نہیں چھوڑتے، بہت پابندی سے روزے رکھ لیتے ہیں؛ لیکن جیسے ہی رمضان ختم ہو جائے تو پھر حلال و حرام کی تمیز کے بغیر خواہشات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، تو پھر ان روزوں کے مجاہدے سے فائدہ کیا ہوا؟ ان روزوں سے فریضہ تو ادا ہو گیا، فائدہ نہیں ہوا، فائدہ یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے اللہ نے یہ عمل ہمارے لئے فرض فرمایا ہے وہ مقصد بھی حاصل ہو، اور وہ مقصد ہے گناہوں سے بچنا۔

اس سے بھی بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگ رمضان میں حکمِ الٰہی کے احترام میں حلال تو چھوڑ دیتے ہیں مگر حرام کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں، یہ کون سی عقلمندی کی بات ہے؟ رمضان میں روزہ رکھا ہوا ہے اور جھوٹ بول رہا ہے، غیبت کر رہا ہے، بدنگاہی کر رہا ہے بے، موبائل کا مس یوز کر رہا ہے، اور گناہ کر رہا ہے، تو ایسے روزے سے کیا فائدہ ہوگا؟ اس واسطے اس بات کو بار بار سوچتے رہنا چاہیے کہ روزہ کا اصل مقصد اور منشا تقویٰ پیدا کرنا ہے، حرام سے بچنے کی قوت پیدا کرنا ہے، اس لیے کم از کم ایک مہینہ تو ایسا گزرے جس میں اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ کر کہے یہ میرا متقی بندہ ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۹ پر)

افاداتِ اکابر

ارشاد السالکین

''خانقاہِ سعیدیہ'' میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹/ بجے تا شب ۹/ بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰ تا ۱۲/ بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہٗ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء وعوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہٗ استاذ ادارۂ ہذا و مجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ از مرتب

فنا فی اللہ کی طلب اور اس کا مفہومِ حقیقی

سوال(۴۴): بندے کے دل میں عرصے سے یہ بات کھٹکتی ہے کہ قولاً وفعلاً درست چل رہا ہوں یا نہیں؟ آمدنی اور صرف صحیح کر رہا ہوں یا نہیں؟ اور عجب بھی ہوتا رہتا ہے، میں چاہ رہا ہوں کہ دنیا کی رغبت نہ ہو، ''فنا فی اللہ'' ہو جاؤں؛ مگر بال بچوں کا خیال آجاتا ہے کہ اُن کی خاطر دنیا بھی کمانا ہے، کیا کرنا چاہیے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اگر کسی شخص کو زہد کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہو جائے، اور اس کا ایمان وتوکل قناعت اور فقر وفاقہ کے لیے بھی تیار ہے، تب بھی اہل حقوق کے حقوق ادا کرنے کے لیے کمانا ضروری ہے، زاہدانہ زندگی آپ کے اختیار میں نہیں ہے، اس لیے اللہ نے آپ پر لازم بھی نہیں کی ہے، دنیا سے بے رغبتی اور صرف آخرت کا شوق یہ سب اچھی صفات ہیں؛ لیکن یہ صفت بیوی بچوں میں تو نہیں پیدا ہوئی ہے، جب ان کے اندر نہیں ہے تو ان کے جائز حقوق وخواہشات کو ادا کرنا آپ کی ذمہ داری ہے، آپ فنا فی اللہ کا کیا مطلب سمجھتے ہیں؟ فنا فی اللہ کا مطلب بس یہ ہے کہ بندے کو اللہ کے غیر سے کوئی مطلب نہ ہو، بس وہ جو کرتا ہے اللہ کے لیے کرتا ہے، باقی آپ کا یہ کہنا کہ درست چل رہا ہوں یا نہیں؟، اس کے لیے اپنے

احوال سے اپنے رہنما کو باخبر رکھیے وہ بتائے گا کہ صحیح چل رہے ہیں یا نہیں، یا کسی کو اپنا راز دار مخلص دوست بنالو وہ دیکھ کر بتائے گا کہ آپ صحیح چل رہے ہیں یا نہیں؟ ۔عُجب کس چیز پر ہوتا ہے؟ پہلے عُجب کی حقیقت سمجھ لو، کبھی آدمی خوشی کو بھی عجب سمجھ بیٹھتا ہے ۔اس دور میں کسبِ حلال بڑی ضرورت ہے اور اہلِ حقوق کے حقوق ادا کرسکنے نیز خود کو عفیف رکھنے کے لئے ہو تو یہ اچھی عبادت بھی ہے۔

ذکر اللہ کے وقت کی ایک خاص کیفیت

سوال (۴۵): ذکر اللہ کے وقت میں جذبہ بھرپور ہو کر ایک خاص کیفیت ہوتی ہے، تو کیا اس وقت میں ”میرے اللہ!“، ”پیارے اللہ“ کے الفاظ سے ذکر کر سکتے ہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: یہ جذبۂ محبت ہے، اس میں کوئی بے ادبی کی بات نہیں ہے حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لفظ اللہ کے ذکر کے دوران اسی جذبہ و جوش سے کبھی کبھی یہ فرمالیا کرتے تھے

اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے
عاشقوں کا مینا و جام ہے

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ایسا جذبہ پیدا ہوتا رہتا تھا، وہ فرماتے تھے:

اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام — شیر و شکر می شود جانم تمام

یعنی اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے کہ میری پوری جان دودھ اور شکر بن گئی۔

حضرت پھول پوریؒ دورانِ تلاوت اچانک قرآن کریم کو اپنے سینے سے لگا کر فرماتے تھے” آجا میرے دل میں سما جا میرے دل میں“ تو اس طرح برجستگی و بے ساختگی سے کوئی محبت بھرا جملہ نکل جائے تو کیا حرج ہے؟ لیکن ذکر تو مسنون و ماثور کلمات ہی کا کریں۔

درود شریف پڑھتے وقت یارسول اللہ، یانبی اللہ کہنا کیسا ہے؟

سوال (۴۶): درود شریف پڑھتے وقت روضۂ اقدس کے سامنے ہونے کے استحضار سے خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے تو کیا اس وقت ”یا رسول اللہ“ یا نبی اللہ“ جیسے الفاظ سے درود بھیجنا درست ہے یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اگر عقیدہ صحیح ہے تو وقتی طور پر کسی خاص جذبہ سے آدمی کے لیے ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بس دھیان اور تصور میں روضۂ رسول پر حاضر ہیں، یہ عمل کی دنیا نہیں، دھیان کی دنیا ہے، باقی

ادب یہ ہے جب ہم روضۂ رسول سے دور ہیں تو غائبانہ طور پر صلاۃ وسلام کا اہتمام کریں، اور اگر وہاں حاضر ہوں تو پھر یہی سلام مسنون ہے: الصلاۃ و السلام علیک یا رسول اللّٰہ یا حبیب اللّٰہ یا خیر خلق اللّٰہ ، اور اگر ہم وہاں موجود نہیں ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ مقرر ہے، وہ درود پہنچاتا ہے، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام اس کا جواب دیتے ہیں۔

مختلف باطنی امراض اور ان کا علاج

سوال(۴۷): بندہ کو بہت زیادہ وساوس آتے ہیں، جو مختلف قسم کے ہوتے ہیں: ایمانی وساوس، ڈراؤنی وساوس، گندے خواب وخیالات، دنیاوی حالات کو دیکھ کر کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ایمان پر خاتمہ بھی ہوگا یا نہیں؟ ہمیشہ اپنے اور دوسروں کے بارے میں منفی سوچ رہتی ہے، علاج فرمائیں۔

جواب: ''خاتمہ بالخیر'' کے سلسلہ میں فکر مند تو رہنا چاہئے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیشہ خوف زدہ رہنا ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے، اور ان کاموں سے بچتے رہنا جو ''خاتمہ بالسوء'' کا سبب ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ اچھے اعمال اور اچھی فکروں میں رہیں اسی میں موت آجائے گی؛ یہی ''خاتمہ بالخیر'' ہے، باقی منفی سوچ کو مثبت بنالو؛ اس لئے کہ جو منفی سوچتا ہے وہ ہمیشہ خائب وخاسر رہتا ہے، اس لئے ہمیشہ مثبت سوچنا چاہئے، مثبت سوچنے سے آدمی منصوبہ بنا سکتا ہے، اس کا فائدہ ہوتا ہے، منفی سوچ مایوسی پیدا کرتی ہے، تو مایوسی والا راستہ کیوں اختیار کریں؟

بچوں کی عصری تعلیم کے لئے اسکول کے انتخاب میں ایک خاص پہلو پر نظر

سوال(۴۸): میں نے اپنے دونوں لڑکیوں کو ایک اسکول میں داخلہ کروایا تھا، جہاں کی تعلیم کمزور ہے؛ لیکن وہاں بچوں کو ظہر کی نماز پڑھائی جاتی ہے، اور دوسرے اسکول میں تعلیم اچھی ہے وہاں داخلہ کرانے کا ارادہ ہے؛ لیکن وہاں ظہر کی نماز نہیں پڑھائی جاتی ہے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اپنے بچوں کو سب سے پہلے دین اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرنا چاہیے، اگر وہ بالغ ہوں تو ان کو ایسی جگہوں پر پڑھانا جائز نہیں ہے جہاں ان کو نماز سے روکا جاتا ہو، اور اگر وہ نابالغ ہوں تو ان کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ ان کو سات سال کی عمر سے نماز کا حکم دو، اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں تو نماز کے سلسلے میں سختی کرو، تو اگر آپ کے بچوں کی یہ عمریں ہیں تو آپ کو چاہیے کہ کمزور تعلیم کو برداشت کرلیں، لیکن نماز سے محروم نہ ہونے دیں۔

نقوشِ رفتگاں

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

از: مولانا سید توفیق عبید سبیلی*

کارواں زندگی میں بہت سے لوگ شامل ہوتے ہیں، کسی کا ساتھ کچھ وقت کیلئے ہوتا ہے، کسی کی رفاقت زندگی بھر کی ہوتی ہے، کوئی اپنی چھاپ ہم پر چھوڑ جاتا ہے، کسی پر ہماری رفاقت کا اثر ہوجاتا ہے، کسی کا ذوق اتنا متأثر کن ہوتا ہے کہ وہ بے ذوق کو بھی صاحبِ ذوق بنا دیتا ہے، کوئی چہرہ اتنا انمول ہوتا ہے کہ بھلائے نہیں بھلتا، کسی کی یادیں زندگی بھر کا سرمایہ ہوتی ہیں، کوئی ہوا کا ایسا جھونکا ہوتا ہے جس کی یادیں مشام جاں کو معطر کردیتی ہیں، کوئی ایسا رفیق بھی ہوتا ہے، جس کی رفاقت کی مثال نہیں دی جاسکتی ہے، زندگی کے کسی موڑ پر کوئی ایسا ہمسفر بھی مل جاتا ہے جو مقصد زندگی کو بدل دیتا ہے، اس کی ہمت افزائی اور راہنمائی زندگی کے رخ کو تبدیل کردیتی ہے، جو خود کے ساتھ دوسروں کو بنانے کا بھی ہنر جانتا ہے، خود آگے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی آگے بڑھانا جانتا ہے، معاصرت اکثر سبب منافرت ہوتی ہے، ہم عصروں میں کوئی ایسا مقبول نہیں ہوتا جس کو اس کے بڑے چھوٹے سب ہی محبوب رکھتے ہوں، اس کی عادات اور اخلاق اتنے متاثر کن ہوتے ہیں کہ ہر ایک کو گرویدہ بنالے، ایسا خندہ پیشانی سے ملے کہ ملنے والا خوش ہوجائے، یہ ملنا کوئی اداکاری وفنکاری نہیں ہوتی جیسا آج کل کا عام معمول ہے، اخلاص ان کی پہچان، سادگی ان کا تعارف، جفاکشی ان کا مزاج، ہمت واستقلال ان کے ہم رکاب، تپاک ان کی پیشانی کا جھومر، اساتذہ کے محبوب، طلباء میں مقبول، ہم عصروں اور ساتھیوں کے مربی، دل وجاں ان پر نچھاور کرنے کو تیار، ان کی ضیافت لذت کام ودہن کیساتھ جسم وروح کو بھی آسودہ کرتی تھی، یہ کچھ نقوش تھے میرے رفیق درس، مربی ومحسن، مخلص وجاںنثار، بااخلاق وباکردار، اسم بامسمیٰ مولانا حمید اللہ قاسمیؒ جن کو مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ شل ہورہے ہیں۔

حالاتِ زندگی

وہ ایک ایسے غیر ذی ذرع وادی کے باشندہ تھے جہاں علم کی کرنیں کوسوں دور تھیں، خاندان میں کسی عالم وحافظ کا نشان تک نہیں تھا، قدرت کی کاریگری بندوں کو ورطۂ حیرت میں ڈالتی ہے کہ وہ کیچڑ میں کنول کھلا دیتی

* استاذ حدیث، جامعۃ الطاہرات، ہاشم آباد

ہے۔صحرا کو گلزار کرتی ہے، خار کو گلوں سے ڈھانک دیتی ہے، کچھ ایسا ہی شہر کے ہنگاموں سے دور زندگی کی سہولتوں سے محروم ایک پسماندہ علاقہ لکشمی پورم، کرنول۔ میں اس کی پیدائش ہوئی تھی، ماں باپ کا علم وعمل سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا، لیکن قدرت جب کسی کا انتخاب کرتی ہے تو اس کے لئے راہیں ہموار کرتی ہیں، وہ کسی کو کتاب الٰہی کا وارث بنانا چاہتی ہے تو اس کو ایسے ماحول اور مواقع فراہم کرتی ہے کہ وہ نامساعد حالات میں اور نکھر جاتا ہے، یہ اس امت کا خاصہ بھی ہے کہ جہالت زدہ علاقہ اور لوگوں میں نبوت اور علوم نبوت کے چراغ جلا ہے، قدرت کی یہ کرم فرمائی اور والدین کی حلال محنتوں کا نتیجہ (جس کا تذکرہ امام بخاریؒ کی زندگی میں ملتا ہے) کا نمونہ اور مثال ممدوح مرحوم تھے۔

ابتدائی تعلیم

مولانا کی ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ کاشف العلوم سے ہوئی، جہاں سے انہوں نے ناظرہ اور حفظ قرآن مکمل کیا اور اپنے مربی ومحسن کرنول کے معروف دردمند داعی جناب ابراہیم صاحب کی وساطت اور دلچسپی سے شہر حیدرآباد کے ایک ممتاز ومعروف ادارہ اشرف العلوم میں شعبۂ عالمیت میں داخلہ لیا جہاں اس وقت کے مشّاق اور ماہر فن اساتذہ مولانا خواجہ کلیم الدین صاحب، مولانا مصدق القاسمی صاحب، مولانا مفتی عبدالرحمان صاحب اور خود ناظم ادارہ حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب زیدمجدہم جیسے ماہر فن علماء اور صاحب نسبت صلحاء سے بھرپور استفادہ کیا، دوران تعلیم اساتذہ کی خدمت اور اپنی لگن ومحنت سے سبھی اساتذہ میں مقبول رہے، اور اپنے ساتھیوں میں فائق بھی تھے۔ادارہ میں اپنی علمی صلاحیتوں کو جلا بخشتے ہوئے جنوبی ہند کی معروف دینی درسگاہ دارالعلوم سبیل السلام جو اس وقت اپنے ناظم وادیب دوراں، خطیب سحر اللسان حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی صاحبؒ کی سرپرستی میں بام عروج پر تھا اپنی تشنگی کو بجھانے لگے، اس وقت سبیل السلام میں وقت کے ماہر اساتذہ مفتی عبدالودود صاحب مظاہری، استاذ الاساتذہ مولانا برکت اللہ صاحب قاسمیؒ، مولانا فضل الرحمٰن صاحب قاسمیؒ، مولانا احمد عبدالمجیب صاحب قاسمی ندوی، مولانا سیف اللہ صاحب قاسمی جیسے یگانہ روزگار علماء اور ادباء موجود تھے، وہیں مولانا کیساتھ میری رفاقت کی شروعات تھی، دوسال تک اپنی علمی پیاس بجھا کر اور خوب سے خوب تر کی تلاش انہیں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند (وقف) لے گئی، قسمت کی یاوری دیکھیں کہ ان کی تمنا پوری ہوئی اور وہاں ان کا داخلہ ہوگیا، ایک گمنام اور علم وعمل سے تہی داماں علاقہ کا باشندہ ملک کے سب سے بڑے ادارے کا طالبعلم بن گیا، اس وقت دنیائے علم وفن کے آفتاب وماہتاب، علم حدیث کے نیر تاباں محدث العصر حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، جانشین حکیم الاسلام وخطیب الاسلام حضرت مولانا سالم صاحب قاسمیؒ، عالم نبیل

محدث جلیل حضرت مولانا اسلم صاحب قاسمیؒ، ادیب زماں حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصرؒ، ادیب شہیر حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ، ماہر علوم حکمت وفلسفہ علامہ حسن باندویؒ، فقیہ وقت مفتی انوار صاحبؒ جیسے جبال علم وحکمت اپنے علمی فیض سے تشنگان علوم نبوت کو سیراب کر رہے تھے، یہ علم وحکمت کا بھوکا، دانائی ومعرفت کا شیدائی ،علوم نبوت کے سجے ہوئے دسترخوان پر ٹوٹ پڑا اور خوب سیر ہوا، وہاں کے رواں وشفاف علمی جھرنوں سے خوب اپنی پیاس بجھائی، وہاں اپنی محنت وصلاحیت، ادب واخلاق سے اپنے اساتذہ کے دل میں گھر کر گیا، وقت کے جبال علم وعمل، یگانہ روزگار علماء ومحدثین کی فیض صحبت نے انہیں کندن بنا دیا تھا۔

علمی واصلاحی خدمات

کل تک جس ادارہ کے وہ متعلم تھے اسی ادارہ نے ان کا استقبال معلم کی حیثیت سے کیا، یہ خوش نصیبی کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے، اساتذہ ومنتظمین کا ان پر اعتماد، ان کی علمی صلاحیت ولیاقت پر اطمینان نے انہیں یہ مقام بلند عطا کیا، ان کے انداز تدریس نے طلباء کو دیوانہ بنا دیا، طلباء کا ہجوم عاشقاں ہر وقت ان کے پیچھے رہتا، ان کی اصابت رائے کا زمانہ قائل تھا، ہم عصر اساتذہ ان کی بات کو حتمی فیصلہ شمار کرتے تھے، ایک سال وقف دارالعلوم دیوبند اور دو سال جامعۃ الامام انور شاہ میں یادگار علمی وتدریسی خدمت انجام دیں۔ باکمال اساتذہ نے ان کو صیقل کیا تو بے مثال شاگردوں نے ان کے فیض علم کو تابندہ کیا۔ ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں خانوادۂ نانوتوی کے چشم وچراغ نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، مولانا ڈاکٹر شکیب قاسمی، مولانا حسنین ارشد قاسمی (استاذ وقف دارالعلوم) مفتی محمد اسلم قاسمی (ناظم مدرسہ حسینیہ، اغوانپور یوپی) مفتی محمد علی قاسمی (امام وخطیب، پنجاب) شامل ہیں۔

اپنے علاقہ میں مدرسہ کی بنیاد رکھ کر مطمئن نہیں رہے، بلکہ اطراف واکناف دیہاتوں میں مکاتب کا قیام، مساجد کی تعمیر، درس قرآن ودرس حدیث کے حلقے، اصلاحی مجالس کے ذریعے لوگوں کے عقائد کی درستگی، علماء وحفاظ کی متحدہ خدمات کے لئے ایک تنظیم بنام وفاق العلماء والحفاظ کرنول کا قیام، مجلس صوت الحق اور دینی مدارس مدارس بورڈ کے رکن رکین، غرباء ومساکین کی امداد وکفالت کیلئے ہر دم کوشاں، اس کے علاوہ بیشمار ایسی خدمات تھیں جو شاید دوسروں کیلئے مشکل ہوں۔

مدرسے کی بنیاد

وہ اپنی تدریس کے عروج پر تھے چاہتے تو از ہر ہند دیوبند کو مستقل اپنے علمی فیض کا مسکن بناتے، مگر ہائے امت کا درد وغم، ملت کی فکر، اپنے علاقہ کی جہالت وعلمی پسماندگی نے انہیں اپنے علاقہ کی جہالت ختم کرنے،

وہاں علومِ نبوت کو عام کرنے کا بیڑہ اٹھانے پر مجبور کردیا، اور وادی غیر ذی ذرع میں بے سروسامانی سے ایک سرسبز گلستاں کا خواب سجایا، بلند حوصلہ اور عالی ہمت ان کے شانہ بشانہ، اخلاص وایثار ان کا سرمایہ، محنت وجفا ان کی سواری، زہدوتقویٰ ان کا زادراہ، شب بیداری ان کی رفیق، پھر زمانے نے دیکھا کہ۔ ع۔

تدبیر کے دست رنگین سے تقدیر درخشاں ہوتی ہے
قدرت بھی مدد فرماتی ہے جب کوشش انساں ہوتی ہے

۲۰۰۶ء کا سن تھا اپنے اساتذہ کی دعاؤں ومشوروں اور اپنے مربی خاص محدث العصر حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ کی سرپرستی میں ایک ادارہ جامعہ انوارِ انوری کی بنیاد رکھی، شروع ہی سے بلند عزائم اور محنت ولگن نے جلد ہی رفتار پکڑ لی، وہ علاقہ جہاں اب تک جہالت کا بسیرا تھا، اب قرآن وحدیث کی تعلیم سے منور ہو گیا، اطراف واکناف کے دیہات علم سے معمور ہونے لگے، لوگ جہالت کے اندھیروں سے نکل کر علم کے اجالوں میں آنے لگے۔ ریاست وملک کے اکابر علماء کی آمدورفت نے اس علاقہ کو چار چاند لگادئے، اطفال وبنات کے مدارس اپنے بال وپر نکالنے لگے، قلیل عرصے میں ایسی ترقی بہت کم دیکھنے میں آتی ہے، شروع سال ہی پچاس سے زائد طلباء کا داخلہ اور ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے مستقل اپنی عمارت میں منتقل ہو گیا، دیکھتے ہی دیکھتے مسجد اور مدرسہ کی شاندار عمارتوں نے علاقہ کی ویرانی کو گلشن علم میں تبدیل کردیا، اور یہ علاقہ حدائق انظر کا حسین منظر پیش کرنے لگا۔ مدرسہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت اور طلبہ وطالبات کے تعلیمی مظاہروں کو دیکھ کر دل مسرت سے جھوم اٹھتا اور بے ساختہ بانی ومہتمم کی کوششوں پر دل سے دعا نکلتی ہے ۔ بے سروسامانی میں شروع کئے گئے ادارے پر معاونین کے اعتماد کا نتیجہ تھا کہ کئی عمارتیں تعمیر ہو گئیں، مہتمم کی شان استغناء کہ وہ کسی مال دار کے در پے نہیں ہوا، مخلوق خدا خود اس کی طرف متوجہ تھی، خدا کرے ان کا یہ ادارہ ہر قدم پر ترقی کرتا رہے اور برگ وبار لاتا رہے اس کا کل آج سے بہتر ہو، اس کے قدم تھکن آشنا نا ہوں۔

سبق آموز پہلو

مولانا مرحوم ومغفور کو خدا نے بیشمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ اخلاق وکردار میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اساتذہ واکابر کا احترام اتنا سلیقہ وادب میں ڈوب کر کرتے جس کا کوئی ثانی نہیں، خوردنوازی میں ایسا نمونہ شاید دیکھا ہو، اپنے ساتھیوں اور یہاں تک کے شاگردوں سے بھی والہانہ تعلق اور ان کی خدمت کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے، نمازوں کا حد درجہ اہتمام، شب بیدار اور پابندِ تہجد تھے ، عاشق رسول ایسے کہ انہوں نے اپنے ادارہ میں بھی روزانہ ہزاروں مرتبہ درود کا معمول بنایا ہوا تھا، اور یہ بات بھی اکثر کہتے کہ اتنے قلیل وقت

میں ادارہ نے جو ترقی کی اس کی بڑی وجہ درود پاک کا اہتمام ہے، معمولات کی پابندی میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے، تعلیمی زمانے میں ان کے وہ ساتھی جو علمی طور پر کمزور ہوتے ان کو بطور خاص وہ اپنے ساتھ رکھ کر تکرار کرنے اور سبق کو سمجھنے اور تکرار کا سلیقہ سکھاتے تھے، راقم الحروف کو اس سے پہلے تکرار کا کوئی سلیقہ نہیں تھا، ان کی رفاقت نے اس قابل بنایا کہ کتاب حل کر سکے اور افہام وتفہیم کا سلیقہ سیکھا، تدریسی زندگی میں ان کا بڑا احسان مند ہوں۔ یہ ایک بڑی باکمال خوبی تھی ان کے اندر جو میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی، بہت سارے ساتھی ایسے تھے جو کسی بات کو بتانا اور اپنی صلاحیت کو بانٹنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے، بلا کے مستغنی تھے، کسی ادارہ میں جانا ہوتا تو بارہا دیکھا کہ اس ادارے میں جتنی ضیافت ہوتی اس کے بقدر رقم کسی طرح سے ادارہ کو پہنچاتے تھے، یہ خوبی بھی بہت کم دیکھنے میں آتی ہے، ادارہ کی رقم کو اپنی ذات پر بالکل استعمال نہیں کرتے تھے، بہت کم منتظمین کو اس طرح کا احتیاط کرتے ہوئے دیکھا، اپنے ادارہ کیلئے بھی کسی کے درپے ہوکر سوال نہیں کرتے تھے۔

راقم الحروف کو کسی ذریعہ سے معقول رقم مولانا تک پہنچانا تھا اس کے لئے ممدوح محترم کو ایک فون کرنا تھا، مگر ان کی شان استغناء دیکھیں کہ وہ اس کے لئے بھی تیار نہیں تھے بلکہ انہوں نے کہا کہ ''اگر وہ رقم دینا چاہتے ہیں تو خود دیں میں فون نہیں کروں گا''، یہی وجہ تھی کہ اللہ رب العزت نے لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کی تھی، سارے ساتھی بھی ان کی استغناء کے معترف تھے۔ حد درجہ صابر، صبر کے جو واقعات کتابوں کی زینت تھے عملاً موصوف میں دیکھا، گزشتہ بیماری کے عرصہ میں ان کے صبر وشکر نے حیران کردیا، شدید بیماری میں بھی کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں تھا، بلکہ اکثر یہ کہتے سنا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ میرے درجات کو بلند کرنا چاہتے ہیں، جہاں تک میں اپنے اعمال کے ذریعہ نہیں پہنچ سکا۔ ایک کے بعد ایک بیماری نے اس متحرک وفعال، گرم دم جستجو اور نرم دم گفتگو کو لاغر وناتواں بنادیا تھا، بہت سارے حاسدین کے حسد نے بھی اس کیلئے سد راہ کا کام کیا، جو عمران کے عروج کی تھی جہاں ان کے خواب شرمندہ تعبیر ہونا تھا، جہاں وہ اپنے ادارہ کو برگ وبار لاتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ اپنی اولاد کی خوشیاں دیکھنے کا متمنی تھے، اکلوتے فرزند کے باشعور ہونے کا امیدوار تھے، وہیں قدرت ان کو اپنے پاس بلانے کے فراق میں تھی، وہ اپنے اس مقرب بندے کو اوراذیتوں میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ بہت عرصہ تک بیماریوں سے لڑتے اور علاج ومعالجہ کرتے ہوئے بالآخر یہ مرد مجاہد اپنے مالک حقیقی سے جاملا، جگر مرادآبادی نے ایسے باکمال لوگوں کے بارے میں کہا تھا۔

جان کر من جملۂ خاصان مے خانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

یادِ رفتگاں

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

(مولانا حمید اللہ صاحب کرنولی قاسمی کی یاد میں)

از: مولانا محمد ابراہیم خلیل سبیلی*

زندگی کے ہنگاموں میں کچھ چہرے ایسے بھی ہوتے ہیں جو محض انسان نہیں بلکہ اپنے آپ میں ایک کاروان ہوتے ہیں۔ وہ صرف اپنے وجود تک محدود نہیں ہوتے بلکہ علم، بصیرت، محبت اور خدمت کے قافلے کے ہیرو ہوتے ہیں۔ ان کی ذات سے روشنی پھوٹتی ہے، وہ جہاں بھی ہوتے ہیں وہاں کے ماحول کو منور کرتے ہیں۔ ان کا وجود صرف اہلِ خانہ یا احباب کے لئے باعث رحمت نہیں ہوتا، بلکہ وہ پوری نسل اور پورے معاشرے کو جلا بخشتے ہیں۔ ان کا چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، سننا بولنا، یعنی ان کا ہر عمل اپنے اندر تاثیر کا عنصر لئے ہوتا ہے۔ جب تک وہ زندہ رہتے ہیں روشنی بکھیرتے ہیں، ایسی روشنی جو صرف آنکھوں کو نہیں، دلوں اور ذہنوں کو بھی منور کرتی ہے۔ ان کی موجودگی باعث اطمینان، اور ان کی رفاقت سکونِ قلب کا سامان ہوا کرتی ہے۔ وہ علم بانٹتے ہیں، اخلاص سکھاتے ہیں، اور عمل کے راستے پر لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ان کے اندر ایسا جذبہ ہوتا ہے جو ہر دل کو کھینچ لیتا ہے، اور ایسی شفقت کہ ہر کوئی ان کے قرب میں خود کو سکون محسوس کرتا ہے۔ اور جب وہ رخصت ہو جاتے ہیں تو اپنے پیچھے علم، اخلاص اور خدمت کی ایسی شمعیں چھوڑ جاتے ہیں جو زمانوں تک جلتی رہتی ہیں۔ ان کی وفات ایک لمحاتی فراق ضرور ہوتی ہے، مگر ان کی چھوڑی ہوئی یادیں، ان کی باتیں، ان کے شاگرد، ان کے قائم کردہ ادارے، ان کی تحریریں اور ان کے بیانات زندہ رہتے ہیں۔ وہ دنیا سے جاتے ہیں، مگر ان کی روشنی دلوں میں باقی رہتی ہے۔ ان کی دعاؤں کا اثر، ان کے علم کا فیض، اور ان کی نیکیوں کی خوشبو لوگوں کو عرصہ دراز تک مہکاتی رہتی ہیں۔

ایسا ہی ایک چراغ، بتاریخ 21 مئی 2025 بروز چہارشنبہ کو اس وقت گل ہو گیا، جب میرا ایک عزیز دوست، عالمِ باعمل، صاحب علم و فضل اور محسن و مربی، ہم سب کو تن تنہا چھوڑ کر بغیر بتائے پیوند خاک ہو گیا۔ کہا

* امام و خطیب جامع مسجد غوثیہ، حیدرآباد

جائے تو یہ جدائی صرف میرے دوست کی نہیں، بلکہ ایک روحانی سرپرست، علمی قافلے کا سالار اور ایک بے لوث خادمِ دین کی جدائی تھی۔ اس کی موت نے دل کو غمزدہ کیا، آنکھوں کو اشکبار کیا، اور روح کو خلائے بیکراں کا احساس دلایا، جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

اس کا تعلق ایک ایسے خانوادے سے تھا جہاں علم دین کی کوئی باقاعدہ روایت نہ تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اس خانوادے کا پہلا عالم دین بننے کا شرف بخشا۔ یہ بات خود اس بات کی غماز ہے کہ اس کے دل میں علم دین کے لیے ایک فطری تڑپ اور سچی لگن تھی۔ اسے نہ ماحول کی موافقت حاصل تھی، نہ ابتدائی سہولیات کی فراوانی، مگر اس کے باوجود اس نے علم کے سفر کا آغاز کیا اور ریاست کے مختلف مدارس میں جاکر تعلیم حاصل کی۔ ہر مقام پر اس نے سختیوں کو برداشت کیا، زندگی کے نشیب و فراز کو جھیلا، مگر کبھی ہمت نہ ہاری۔ اس کا یہی استقلال، اور جذبہ قربانی بالآخر اسے عالم اسلام کے ایک عظیم مرکز، دارالعلوم دیوبند تک لے گیا۔ وقف دیوبند میں اس نے نہ صرف اپنے تعلیمی مراحل کامیابی سے مکمل کیا، بلکہ اپنے اخلاق، سادہ لوحی اور علمی صلاحیت کی بنا پر وہاں کے اساتذہ و ذمہ داران کی نظروں میں اپنا خاص مقام پیدا کیا۔ اس کی علمی گہرائی، فکری پختگی، اور تدریسی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے وقف انتظامیہ نے اسے "معین مدرس" کے عہدے پر فائز کیا۔ میرے علم کے مطابق، متحدہ آندھرا پردیش کی تاریخ میں یہ پہلا طالب علم تھا جسے اس مقام پر فائز ہونے کا شرف حاصل ہوا، جو نہ صرف اس کی ذاتی کامیابی تھی بلکہ ہمارے پورے علاقے کے لیے ایک اعزاز کی بات بھی ہے۔ دیوبند جیسے علمی و روحانی گہوارے میں معین مدرس کے طور پر اس نے دو سال تک تدریسی خدمات انجام دئے۔ یہ مدت گو کہ مختصر تھی، مگر اس نے اپنے طلباء کے قلوب کو علم سے منور کیا، اور کردار سازی و رجال سازی میں وہ نمایاں مقام حاصل کیا کہ انتظامیہ نے اس کی گہرائی و گیرائی اور تدریسی مہارت کو دیکھتے ہوئے باقاعدہ مدرس کے طور پر مقرر کیا۔ اور یوں اس نے کئی سالوں تک درس و تدریس کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی۔ اس کی درس گاہ علم و ادب، حکمت و دانائی، اور اخلاص و سادگی سے بھرپور ہوا کرتی تھی۔ وہ محض معلّم نہیں تھا، بلکہ ایک مربّی، ایک محسن، اور ایک مشفق باپ کی طرح اپنے طلبہ کی علمی، فکری اور اخلاقی تربیت میں ہمہ وقت مصروف رہتا تھا۔ اس کے شاگرد آج ملک کے کونے کونے میں اس کے فیض کے چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔

کئی سالہ تدریسی تجربہ کے بعد اس کے سامنے ایک مقصد تھا، وہ ہے اپنے گاؤں اور اپنے قریہ میں دین کی تعلیم کو عام کرنا؛ لہذا وہ علم اور علماء کے چمن کو الوداع کہ کر اپنے گاؤں واپس لوٹا۔ کرنول پہنچنے پر اس کے سامنے بڑے چیلنجز تھے۔ زمین بنجر تھی، کوئی سہارا نہیں تھا، ساتھ دینے کے لئے کوئی تیار نہ تھا۔ لیکن اس کے دل میں

کامل بھروسہ اور توکل تھا۔ اسی بھروسے کے سائے اس نے اس بنجر زمین پر ایک دینی ادارے کی بنیاد رکھی۔ ابتدا میں شاید کچھ لوگوں نے اسے دیوانے کا خواب سمجھا، لیکن وہ مردِ کامل جانتا تھا کہ جس کام میں اخلاص اور یقین ہو، وہاں مدد الٰہی ضرور شامل حال ہوتی ہے۔ چند سالوں کی محنت کے بعد وہی بنجر زمین علم وعمل کا گلزار بن گئی۔ علم کا ایسا چشمہ وہاں جاری ہوا کہ آج سینکڑوں تشنہ لب اس سے سیراب ہو رہے ہیں۔ آج کرنول کی علمی فضاؤں میں اس ادارے کی خوشبو پھیل چکی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس نے پورے کرنول میں کئی مساجد کی تعمیر کی، کئی مدارس کی سرپرستی کی۔ ہر مکتبِ فکر، ہر بستی، ہر علاقہ اس کی دینی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ لوگ چاہتے تھے کہ وہ ان کے مدرسہ کا سرپرست بنے، ان کی مسجد کی رہنمائی کرے، ان کے مسائل میں ان کے ساتھ کھڑا ہو۔ اس کی زندگی کا مقصد ہی دین کی خدمت اور امت کی اصلاح تھا۔ علاوہ ازیں اس نے کئی ملی و دینی تنظیموں کی صدارت بھی قبول کر لی تھی۔ جہاں بھی امت کو رہنمائی کی ضرورت پیش آئی، وہاں وہ صفِ اول میں نظر آتا۔ اس کی حکمت، معاملہ فہمی، اور اخلاص نے اس کو ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ لیکن جہاں روشنی ہوتی ہے وہاں سائے بھی ہوتے ہیں۔ جہاں محبتیں بکھرتی ہیں وہاں حسد بھی جاگ اٹھتا ہے۔ کرنول اور اس کے مضافات میں کچھ مخصوص حلقے ایسے بھی تھے جو اس کی مقبولیت، دینی بصیرت، اور بے لوث خدمات سے ناخوش تھے۔ ان کے دلوں میں بغض اور حسد نے جگہ بنالی تھی۔ لیکن یہ بغض دراصل اس کی کامیابی کا ایک غیر ارادی اعتراف تھا۔

میں نے اس کے ساتھ کئی سفر کئے ہیں، اس کے ساتھ سفر میرے لئے بالکل نیا تجربہ تھا۔ اس کا وجود ہمارے قافلے کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں تھا، اس کی معیت نے ہمارے سفر کو زندگی بھر کی یادوں میں تبدیل کر دیا۔ کئی سارے اسفار میں سفرِ دیوبند کا اپنا ایک خاص مقام ہے۔ وہ سفر صرف مقامات کے بدلنے کا نام نہیں تھا، بلکہ علم کی خوشبو، روح کی تازگی اور دوستی کے رنگوں سے بھرپور تھا۔ ہم نے اس سفر میں دیوبند، سہارنپور، مظفر نگر، تھانہ بھون، اور دیگر علمی و روحانی مراکز کی زیارت کی۔ ہر مقام پر شاگردوں کی خدمت، اساتذہ سے ملاقات کا جذبہ، اور بزرگوں سے قلبی تعلق قابل دید تھا۔ میرا یار صرف رفیقِ سفر نہیں تھا، بلکہ سفر کا سچا مددگار تھا۔ اس کی موجودگی سے سفر کی تھکن ختم ہوجاتی، راستے کی دشواریاں آسانیوں میں بدل جاتیں۔ وہ اس قدر خیال رکھنے والا تھا کہ ہمیں کبھی کھانے پینے، قیام وطعام کی فکر ہی نہ ہوتی۔ خود محنت کرتا، شاگردوں سے انتظام کرواتا، انہونی کو ہونی کرتا، اس کے ساتھ سفر کرنا گویا کسی شفقت بھری چھاؤں میں چلنا تھا۔ دیوبند کے سفر کے علاوہ بھی ہم نے کئی یادگار سفر کئے۔ کرنول کے گرد ونواح میں واقع ندیوں، ڈیموں، تاریخی مقامات اور فطری مناظر کو اس کی معیت میں دیکھا۔ اس کی معلومات، دلچسپی، اور اس کا اندازِ گفتگو سفر کو ایک علمی، تاریخی اور روحانی تجربہ بنا دیتا

تھا۔ وہ مقامات کو صرف نظروں سے نہیں دیکھتا تھا، بلکہ ان سے جڑی کہانیوں، تاریخ اور سبق آموز واقعات کو بھی یاد رکھ کر ہم جیسے ساتھیوں سے شیئر کرتا تھا۔ اس کے ساتھ چھتیس گڑھ کا سفر بھی کبھی نہ بھولنے والے تجربات میں سے ایک تھا۔ ہر سفر میں اس کی طبیعت کی خوش اخلاقی، دل آویزی، اور خدمت گزاری واضح طور پر محسوس کی جاتی تھی۔ وہ صرف خود مستعد نہیں رہتا تھا بلکہ دوسروں کے آرام، ضرورت اور طبیعت کا بھی بھرپور خیال رکھتا تھا۔ راستے میں کھانے پینے کی فکر، جگہوں کا انتخاب، اور حتیٰ کہ چھوٹے موٹے سامان کی حفاظت کا بھی خود ذمہ دار تھا۔ اس کی یہ سفری رفاقت، اس کی مہمان نوازی، خلوص، اور بےلوث محبت اب صرف یادوں کا حصہ بن چکی ہے، مگر یہ یادیں اس قدر مہکتی ہیں کہ دل کو راحت دیتی ہیں اور زبان سے بے اختیار اس کے لئے دعائیں نکلتی ہیں۔

پچھلے دو برسوں سے وہ ایک نہ ختم ہونے والی بیماری میں مبتلا تھا، ایسی بیماری جس نے اس کے جسم کو تو کمزور کر دیا تھا مگر اس کے حوصلے اور ایمان کو نہ جھکا سکی۔ وہ دن رات بیماری کی اذیت جھیلتا رہا، کبھی دوا، کبھی ڈاکٹر، کبھی ہسپتال، کبھی مختلف طریقہ علاج، غرض ہر ممکن کوشش کی گئی۔ علاج و معالجہ پر خاصا سرمایہ بھی صرف ہوا، مگر اس کے چہرے پر کبھی مایوسی کے آثار دکھائی دئے اور نہ اس کی پیشانی پر شکن آیا۔ اس کی زبان پر ہمیشہ ذکرِ الٰہی جاری رہتا، اور لبوں سے شکایت کے بجائے شکر کے کلمات ادا ہوتے۔ یہ صبر کا وہ بلند مقام تھا جہاں ہما شما کا ضبط ٹوٹ جاتا ہے۔ مجھ کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ بیماری کو بھی اس کی عاجزی اور سادگی پسند آ گئی تھی اور کسی مخلص دوست کی طرح ساتھ چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تھی، اندر اندر کھا رہی تھی باہر باہر ویسے ہی سجا رہی تھی۔ اس کی اس حالت نے اہلِ خانہ، دوستوں اور خیر خواہوں کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑا تھا اور ہر کوئی اس کی ثابت قدمی اور تسلیم و رضا پر حیرت زدہ تھا۔ اس کی زندگی کا باب ہمیں سکھاتا ہے کہ مصیبت صرف جسم پر اثر نہیں ڈالتی، اصل امتحان دل اور روح کا ہوتا ہے، اور وہ اس امتحان میں کامیاب و کامران ہو گیا۔

آج وہ ہمارے درمیان جسمانی طور پر موجود نہیں، لیکن اس کی تعلیمات، قربانیاں، دعائیں، اس کی شخصیت کے نقوش، اور اس کا چھوڑا ہوا علمی، دینی اور روحانی سرمایہ ہمارے لئے تاحیات مشعل راہ رہے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو جنت کا باغ بنائے، اس کے درجات بلند فرمائے، اور اس کی بیوہ اولاد، والدین اور مدرسہ کو اشرار کے شر سے اور فتنین کے فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

مرحوم والدین کی طرف سے قربانی

سوال: اپنے مرحوم والدین کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے؟

جواب: اگر کوئی بیٹا/ بیٹی اپنے مرحوم والدین کے ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کرنا چاہے تو کر سکتے ہیں؛ البتہ اولاد میں سے جس پر صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے اپنی قربانی کرنا واجب ہو تو والد کی طرف سے بطور ایصالِ ثواب قربانی کرنے کی وجہ سے اس سے اپنی قربانی کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔ (شامی:۶/ 326)

گھر کے ہر فرد پر قربانی

سوال: اگر گھر میں کئی افراد صاحبِ نصاب ہوں، تو کیا ہر فرد پر قربانی واجب ہے؟

جواب: ہر مسلمان آزاد مقیم صاحبِ نصاب پر قربانی واجب ہے، چاہے ایک گھر میں کئی افراد ہوں، ایک شخص کے قربانی کرنے سے تمام کی طرف سے واجب ادا نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا،۶/ ۳۱۰)

قربانی کے ایام

سوال: قربانی کے کتنے ایام ہیں؟

جواب: قربانی کے تین دن ہیں، یوم النحر یعنی ۱۰/ ذی الحجہ اور اس کے بعد دو دن، ۱۳/ ذی الحجہ کے دن قربانی جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا،۶/ ۳۳۸)

قربانی کے جانور کی عمر

سوال: کیا جانور کی قربانی کے لئے دانت والا ہونا ضروری ہے؟

جواب: قربانی کے جانوروں کی عمریں متعین ہیں، بکرا بکری، ایک سال، اور گائے بیل دو سال؛ چوں کہ اکثر حالات میں جانوروں کی صحیح عمر معلوم نہیں ہوتی، اس لئے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کرنے کا اور اس پر عمل

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

کرنے کا احتیاطاً حکم دیا جاتا ہے۔ (کفایت المفتی، ۸/ ۲۳۷)

ذبح کے وقت کوئی عیب پیدا ہو جائے

سوال: ذبح کے وقت کوئی عیب پیدا ہو جائے، جیسے سینگ جڑ سے ٹوٹ جائے تو کیا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے؟

جواب: بہ وقت ذبح، کوئی مانع عیب، جانور میں آجائے تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا، ۶/ ۳۵۸)

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا

سوال: کیا غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دے سکتے ہیں؟

جواب: ہاں! دے سکتے ہیں؛ البتہ مسلمان کو دینا افضل ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/ ۲۰۹)

نصابِ قربانی پر (حولانِ حول) سال گذرنا

سوال: کیا قربانی کے نصاب پر حولانِ حول (سال گذرنا) شرط ہے؟

جواب: قربانی کے نصاب پر حولانِ حول (سال گذرنا) شرط نہیں ہے، بلکہ قربانی کے دنوں میں جس وقت بھی کسی مسلمان عاقل بالغ مقیم کے پاس قربانی کا نصاب ملک میں آجائے گا، تو اس پر قربانی واجب ہوجائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۶/ ۴۴۷)

تکبیرات تشریق کا وقت

سوال: تکبیرات تشریق کا کیا حکم ہے؟

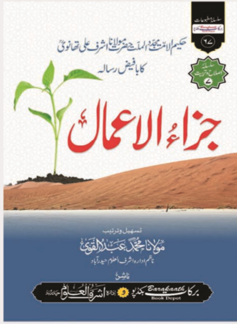
جواب: عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ کی فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد بآوازِ بلند ایک مرتبہ، مرد وعورت، مقیم، مسافر، امام، منفرد، مقتدی سب پر پڑھنا واجب ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا، ۶/ ۴۶۵) البتہ عورت تکبیر آہستہ آواز سے پڑھے۔

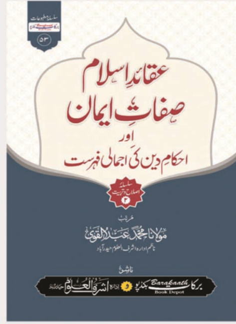
قربانی کا گوشت فروخت کرنا

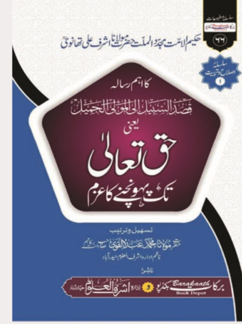
سوال: کیا ضرورت سے زائد قربانی کا گوشت بیچنا جائز ہے؟

جواب: قربانی کرنے والے کا اپنی قربانی کا گوشت فروخت کرنا جائز نہیں، اگر فروخت کردے تو اس کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے، اور وہ قیمت صرف غریب کو دی جاسکتی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۵/ ۴۱۴)

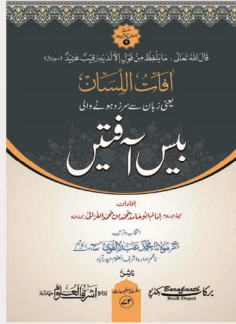
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd June-25, Date of Posting 5th June-25

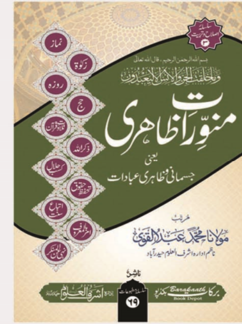


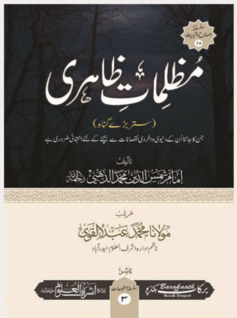


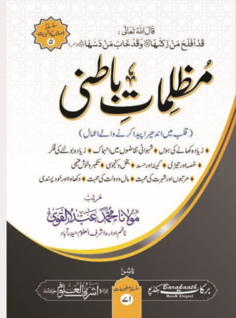


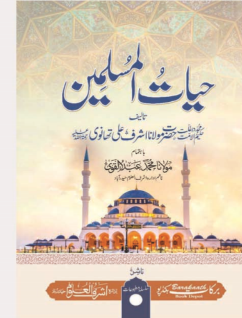












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59